اُردو ادب کے معاصر میلانات: کورونائی نثر میں خوف کے عناصر کا تجزیاتی مطالعہ

مقالہ برائے ایم۔ فل (اُردو)

مقالہ نگار:

امجد علی مجاہد

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

دسمبر ۲۰۲۲ء

اُردو ادب کے معاصر میلانات: کورونائی نثر میں خوف کے عناصر کا تجزیاتی مطالعہ

مقالہ نگار:

امجد علی مجاہد

یہ مقالہ

ایم۔ فل (اردو)

کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے لئے پیش کیا گیا

فیکلٹی آف لینگویجز

(اردو زبان و ادب)

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

دسمبر ۲۰۲۲ء

مقالے کا دفاع اور منظوری کا فارم

زیر دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انہوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھا اور مقالے کے دفاع کو جانچا ہے، وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف لینگویجز کو اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالے کا عنوان: "اُردو ادب کے معاصر میلانات: کورونائی نثر میں خوف کے عناصر کا تجزیاتی مطالعہ"

پیش کار: امجد علی مجاہد رجسٹریشن نمبر: 1892 /M/U/F19

ماسٹر آف فلاسفی

شعبہ اُردو زبان و ادب

ڈاکٹر عنبرین تبسم شاکر جان ________________

نگران مقالہ

پروفیسر ڈاکٹر جمیل اصغر جامی ________________

ڈین فیکلٹی آف لینگویجز

بریگیڈیئر سید نادر علی ________________

ڈائریکٹر جنرل

تاریخ: ____________

اقرار نامہ

میں امجد علی مجاہد حلفاً بیان کرتا ہوں کہ اس مقالے میں پیش کیا گیا کام میرا ذاتی ہے اور نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد کے ایم۔فل (اردو) اسکالر کی حیثیت سے ڈاکٹر عنبرین تبسم شاکر جان (ایسوسی ایٹ پروفیسر) کی نگرانی میں مکمل کیا ہے۔ یہ تحقیقی مقالہ کسی دوسری یونیورسٹی یا ادارے میں ڈگری کے حصول کے لئے پیش نہیں کیا ہے اور نہ ہی آئندہ پیش کیا جائے گا۔

امجد علی مجاہد

ایم۔فل (اُردو)

سیشن ۲۰۱۹ء

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

فہرست ابواب

عنوان	صفحہ نمبر
مقالے کے دفاع اور منظوری کا فارم	i
اقرار نامہ	ii
فہرست ابواب	iii
Abstract	vii
اظہار تشکر	viii
باب اول: موضوع تحقیق کا تعارف اور بنیادی مباحث	۱
الف: تمہید	۱
- موضوع کا تعارف:	۱
- بیان مسئلہ	۶
- مقاصد تحقیق:	۷
- تحقیقی سوالات:	۷
- نظری دائرہ کار:	۷
- تحقیقی طریق کار:	۹
- مجوزہ موضوع پر ما قبل تحقیق:	۱۰
- تحدید:	۱۰
- پس منظری مطالعہ:	۱۰
- تحقیق کی اہمیت:	۱۱
ب: کورونائی وبا اور اس کا آغاز	۱۱

- کورونا اور ہمارا رویہ ۲۸
- انفرادی شخصیت پر اثرات ۳۲

ج: خوف اور انسانی نفسیات ۳۳

- علم نفسیات اور سگمنڈ فرائڈ ۳۴

د: تھاناٹو فوبیا ۳۶

- تشویشی امراض ۳۷
- بے جا خوف ۳۸
  - الف۔ مخصوص فوبیا ۳۸
  - ب۔ سماجی فوبیا ۳۹
- تھاناٹو فوبیا: ۴۰

ہ: خوف کے عناصر ۴۱

- بے چینی ۴۲
- ڈر ۴۳
- وہم ۴۵
- سماجی دوری ۴۶

و: کورونا اور خوف و ہیجان ۴۶

- حوالہ جات ۴۸

باب دوم: کورونائی ادب اور خوف کے عناصر کی پیش کش ۵۰

نظریۂ ادب ۵۱

- نظریہ موت ۵۳

وبائی ادب کی روایت ۵۵

کورونائی ادب کا آغاز وارتقاء ۶۱

کورونائی ادب کے نمائندہ موضوعات اور پیش کش ۶۶

- کورونائی ادب اور خوف کا اظہار ۶۹
- ویکسین لگوانے سے مرنے کا ڈر ۷۳
- حوالہ جات ۷۵

باب سوم: اُردو کورونائی نثر اور نفسیاتی ہیجان وخوف ۷۷

اردو نثر کی نمائندہ اصناف اور کورونائی پیش کش ۸۲

- ناول ۸۲
- افسانہ ۸۶
- شہر خالی، کوچہ خالی ۹۴
- کیا کورونا کچھ نہیں؟ ۹۵
- طلسمِ کہن ۹۶

ب: اُردو نثر کے نمائندہ کورونائی نثر نگار ۹۷

- مستنصر حسین تارڑ ۹۷
- نقشبندی قمر نقوی بخاری ۹۹
- محمد حنیف ۱۰۰
- خاور چودھری ۱۰۱

ج: کورونائی نثر اور وبائی خوف ۱۰۲

- حوالہ جات ۱۰۷

باب چہارم: مجموعی جائزہ، تحقیقی نتائج و سفارشات ۱۰۹

- مجموعی جائزہ ۱۰۹
- نتائج ۱۱۱
- سفارشات ۱۱۳
- کتابیات ۱۱۴

Abstract

Title: Contemporary trends in Urdu literature: (Analytical Study of the Elements of Fear in Coronai Prose)

This research work has been divided into three chapters. In the first chapter, the introduction of Coronai literature and its basic discussions have been discussed. In its second chapter, Coronai literature and the elements of fear have been presented. Especially, the psychological and social effects of the situation caused by the corona virus have been described in Urdu literature, affecting the individual and the society.

In December 2019, an epidemic called Corona virus spread in the city of Wuhan in China and then took the whole world in its grip. Finally, the Pakistani society could not live without being affected by it. The social, political, economic and individual effects of the corona virus have been reviewed in this article.

No research work has been done before on Corona virus in Urdu literature especially Urdu prose. The main reason for this is that the corona virus was a completely unique situation for the world. Due to which Urdu writers could not create anything in the beginning. But after some time the writers presented this situation in their writings. In this paper, an analytical study of the elements of fear in Coronai literature, especially Coronai prose, has been presented.

اظہار تشکر

سب سے پہلے اس وحدہ لاشریک ذات "اللہ ربّ العزّت کا شکر بجالاتا ہوں کہ جس نے مجھے انسان بنایا، اپنے محبوب ترین نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امتی بنایا اور مجھے شعور و فہم جیسی دولت سے نواز کر قلم (تحریر) سے میرا رشتہ استوار کیا۔ پھر رحمت العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سراپا احسان مند ہوں کہ جن کی ذات کی بدولت "علم" کو فضیلت نصیب ہوئی اور ان کی تعلیمات کی تصدیق سے مجھے علم حاصل کرنے کا موقع و شعور میسر آیا۔ اس کے بعد اس دنیا میں سب سے انمول اور مخلص ترین رشتے "میرے والدین" جن کی دعا اور تربیت نے مجھے اس قابل بنایا۔ "بہن بھائیوں" کا شکر گزار ہوں، جن کی سپاس گزاری کے لیے واقعتاً میرے قلم میں جان نہیں، بالخصوص اپنے چھوٹے بھائی محمد فیاض سیال کا جنہوں نے ہر مشکل میں میرا ساتھ دیا اور میرے مقاصد کو تکمیلی رنگ دینے میں میرے معاون ثابت ہوئے۔ میں تہہ دِل سے شکریہ ادا کرتا ہوں ماہرِ نفسیات ڈاکٹر فریحہ الطاف اعوان کا جن کی بے لوث محبت و شفقت میرے لیے مشعل راہ ہے۔

تحقیق کے مرحلے میں سب سے اہم کام موضوع کا انتخاب ہے۔ موضوع کے انتخاب سے لے کر اس مقالے کو مکمل کرنے تک میری روحانی رہنما نفیس و شفیق شخصیت پروفیسر ڈاکٹر عنبرین تبسم شاکر جان صاحبہ نے ہر قدم پر میری رہنمائی کرنے کے ساتھ ساتھ حوصلہ افزائی کی۔ ان کے مفید مشوروں اور رہنمائی کی بدولت ہی، میں بروقت مقالہ مکمل کرنے میں کامیاب ہوا۔ جس پر میں ان کا تہہ دل سے ممنون ہوں۔

یونیورسٹی کے دیگر اساتذہ ڈاکٹر عابد حسین سیال، ڈاکٹر رانا محمود الحسن، ڈاکٹر فوزیہ اسلم، ڈاکٹر رخشندہ مراد، ڈاکٹر نعیم مظہر، ڈاکٹر نازیہ یونس، ڈاکٹر بشریٰ پروین، ڈاکٹر صائمہ نذیر، ڈاکٹر ارشاد بیگم اور ڈاکٹر صنوبر الطاف صاحبہ کی رہنمائی میرے لیے ہمیشہ مشعل راہ رہی جس پر ان کا احسان مند ہوں۔ آخر میں ایک بار پھر میں اپنی نگرانِ مقالہ پروفیسر ڈاکٹر عنبرین تبسم شاکر جان کا دل کی اتھاہ گہرائی سے شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اپنی انتہائی مصروفیت کے باوجود مجھ پر شفقت کرتے ہوئے مجھے تحقیق اور غور و فکر کی عادت ڈالی اور میرے منجمد ذہن کو تحریک بخشی۔

امجد علی مجاہد
ایم فل اردو

باب اول:

موضوع تحقیق کا تعارف اور بنیادی مباحث

- خوف اور انسانی نفسیات
- علمِ نفسیات اور سگمنڈ فرائڈ
- تھاناٹو فوبیا
- خوف کے عناصر
- کورونا اور خوف و ہیجان

موضوع کا تعارف اور بنیادی مباحث

الف: موضوع کا تعارف:(Introduction)

لاطینی (Latin) زبان کا لفظ "وائرس"(Virus) اردو میں "زہر" کے معنی رکھتا ہے۔ وکی پیڈیا پر وائرس کی تعریف کچھ یوں کی گئی ہے:

> "A virus cannot replicate alone. Viruses must infect cells and use components of the host cell to make copies of themselves. Often, they kill the host cell in the process, and cause damage to the host organism."
>
> ترجمہ: "ایک وائرس اکیلے نقل نہیں بنا سکتا۔ وائرس کو خلیات کو متاثر کرنا چاہیے اور میزبان سیل کے اجزاء کو اپنی کاپیاں بنانے کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔ اکثر، وہ اس عمل میں اپنے میزبان سیل کو مار ڈالتے ہیں اور میزبان جاندار کو نقصان پہنچاتے ہیں۔"(۱)

یہ ایک زندہ جان دار ہوتا ہے، جو خود سے نہیں رہ سکتا، بلکہ زندہ خلیوں کے اندر پہنچ کر پھلتا پھولتا ہے۔ وائرس اپنا ایک خاندان رکھتا ہے، جس کے خاندان کا تعین اس کی شکل، جینوم کی تشکیل اور پھیلنے کے انداز سے کیا جاتا ہے۔ (Virus) کو اردو میں "زہر" کہتے ہیں گوگل پر "زہر" کے معنی کچھ یوں سمجھائے گئے ہیں:

> "اسمِ مذکر"وہ چیز جس کی تھوڑی مقدار جسم میں پہنچنے سے ہلاکت واقع ہو جائے یا ضرر پہنچے خواہ معمولی ہو جیسے ہیرے کی کنی، سنکھیا، یا جسمانی رطوبت جو دانت یا ڈنک کے ذریعے پہنچے" ، کیمیائی محلول، ذائقے میں ناگوار یا ناقابل برداشت، کڑوا کسیلا یا کھاری، سخت ناگوار، بہت برا، (استعارۃ) نہایت

> کڑوی چیز، مہلک، قاتل، غصہ، غضب، خشم، ضرر رساں، نقصان دہ، خطر
> ناک بات جس سے ہلاکت یا نقصان کا اندیشہ ہو"۔ (۲)

کرہ ارض پر وائرس کی تعداد کا تخمینہ اربوں میں لگایا جاتا ہے۔ یہ اس قدر چھوٹے حجم کا ہوتا ہے کہ صرف "الیکٹران مائیکروسکوپ" سے دیکھا جا سکتا ہے۔ وائرس کے زندہ رہنے کے لیے جو ذریعہ مددگار ہوتا ہے، اسے ”پیراسائٹ“ کہتے ہیں، یعنی اسے زندہ رہنے کے لیے اور خلیے میں جانا پڑتا ہے۔ ایک میزبان خلیے سے دوسرے میں منتقل ہونے والا وائرس قریبی رابطوں، آلودہ پانی، کھانوں اور ہوا میں معلق بوندوں وغیرہ سے پھیلتا ہے۔ انسانی تاریخ میں وائرس بدترین بیماریوں جیسے ایبولا وائرس، چیچک، پولیو اور ایڈز وغیرہ کا سبب بنتا ہے۔

"کورونا وائرس" بھی ایک بہت بڑی وائرس کی فیملی کا نام ہے، جو مہلک اور خطرناک بیماریاں پیدا کرتے ہیں۔ ان میں عمومی بخار سے لے کر مہلک اور جان لیوا بیماریاں شامل ہیں، جیسا کہ وسطی ایشیا میں پھوٹنے والی سانس کی وبائیں MERS اور - SARS کورونا وائرس (COVID-۱۹) چین کے شہر ووہان میں پہلی مرتبہ انسانوں میں دیکھا گیا، جس نے انتہائی سرعت سے دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

کورونا وائرس (Corona Virus) ایک مرض ہے، یہ عموماً جانوروں اور پرندوں میں معمولی اور غیر معمولی مختلف بیماریوں کا سبب بنتا ہے، مثلا گائے اور خنزیر کے لیے اسہال کا باعث ہے، اس طرح انسانوں میں یہ مرض ہو تو سانس پھولنے اور پھیپھڑے کے مرض کا ذریعہ بنتا ہے، عموماً اس کے اثرات معمولی اور خفیف ہوتے ہیں، لیکن بعض اوقات کسی غیر معمولی صورت حال میں خطرنات اور مہلک بھی ہو جاتے ہیں کیوں کہ یہ وائرس سانس کے ذریعے پھیلتا ہے اور انتہائی کم وقت میں پھیپھڑوں کو ناکارہ کر دیتا ہے، اسی وجہ سے انسان کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ انہی حقائق کے سبب پوری دنیا پر کورونا وبا کا ایک خوف چھایا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ خوف کے متعلق کنزیٰ خالق ماہنامہ بیاض، لاہور میں لکھتی ہیں:

> "لوگ گھروں میں غیر محفوظ ہو گئے۔ جن پر خوف کا آسیب مسلط ہوا۔
> انہیں گھروں سے دور پھینکا جانے لگا مبادا خوف کی یہ شدت باقی مکینوں کو بھی

> کھا جائے۔ مذہب، رنگ، نسل کے زعم میں جیتے۔۔۔ حسب نسب پہ اترانے والے، اپنے سگے رشتوں سے کترانے لگے۔۔۔۔ خلوص اور تپاک سے گلے ملنے والے ہاتھ ملانے تک سے گئے۔۔۔ سانس کی تکلیف سے بے حال کسی کی ایک چھینک کی آواز ایک مصروف ترین عمارت میں لگے فائر الارم کی حیثیت اختیار کر گئی"۔(۳)

سماج اور زبان و ادب باہم مطابقت رکھتے ہیں اور ایک دوسرے کو متاثر کرتے ہیں۔ ادیب چونکہ معاشرے کا حساس طبقہ ہیں، اس لیے سماجی رویوں سے براہِ راست متاثر ہوتے ہیں۔ مصنف کی تحریر سماجی رویوں سے خالی نہیں ہوتی۔ کورونا نے جہاں معاشرے کے دیگر شعبوں کو متاثر کیا، وہیں ادیبوں کو بھی متاثر کیا ہے۔ اس تاثر کا اظہار ان کی تخلیقات میں بھی نظر آتا ہے۔ ڈاکٹر اسحاق وردگ دبستان پشاور میں لکھتے ہیں:

> "عالمگیر انسانی المیہ کورونا عالمی تاریخ کے ساتھ ساتھ تاریخ ادب میں بھی بیسویں صدی کے ایک تخلیقی رجحان کے روپ میں زندہ رہے گا۔ اسے ادب کا اعجاز کہیے کہ وبائے عام کے خوف سے زندگی کا پہیہ رک چکا ہے لیکن آگہی کے تخلیقی اظہاریے رواں دواں ہیں۔ جس خوف کے ہاتھوں سماجی زندگی نے ویرانی کی چادر اوڑھ رکھی ہے۔۔۔ انسان گھروں میں محصور ہیں۔ اہل ادب اسی خوف کے رنگوں سے فکر و آگہی اور نفسیاتی کیفیات کے منظر نامے تخلیق کر رہے ہیں۔ یہ تخلیقی عمل سے زیادہ تہذیبی عمل ہے کہ ایک اجنبی اور بے یقین ساعتوں میں تخلیق کار اپنائیت اور تیقن کی جذباتی توانائی متاثرین و باکو فراہم کر رہے ہیں"۔(۴)

دنیا "کورونا گردی" کے حصار میں تبدیلی سے گزر رہی ہے۔ شرق و غرب کے زمین زادے بے یقینی سے گزرتے ہوئے ایک جیسا سوچ رہے ہیں۔ بظاہر تو کورونا نے لوگوں میں دوریاں پیدا کیں لیکن ادیبوں اور مصنفوں میں ایک نئی سوچ اور ایک نئی لہر نے جنم لیا ہے جیسے مختلف اخباروں اور رسالوں میں معنی خیز کالموں

کے ساتھ ساتھ سنجیدہ اور فکاہیہ کالم بھی لکھے جانے لگے۔ علاقائی زبانوں کے جوہر مکالماتی انداز اپنائے جدید ادب لکھا جا رہا تھا۔ جس میں اردو، پشتو، ہندکو اور کھوار ادیب اپنی اپنی تحریروں میں اس بے دلی کو زندہ دلی اور یاسیت کو رجائیت میں بدلتے ہوئے "عالمی گاؤں" کے انسانوں کو ایک خاندان سمجھ رہے ہیں اور انہیں ایک پیج پر لا رہے ہیں۔ کورونا وائرس سے متعلق جو کچھ بھی محسوس کیا، اسے نثر کی صورت سپرد قرطاس کر دیا۔

فکشن کے بعد ادبی کالم نگاری کو دیکھیں ادبی اسلوب نے وبا کا منظر نامہ مرتب کیا ہے۔ کہیں ہمیں طنز و مزاح کے رنگ تو کہیں وبا پر لکھے گئے اشعار کے اجالے میں تجزیہ کاری دکھائی دیتی ہے، کہیں سنجیدہ پیرائے میں آگہی کے چراغ روشن کیے ہیں تو کہیں شگفتگی تخلیق جلوہ گر نظر آتی ہے۔ قلم اور کالم نے وبا کے بعد نئے عالمی بیانیے کے خدوخال اجاگر کرتے ہوئے خیر کے پہلو تراشے ہیں۔

مجموعی طور پر دیکھا جائے تو اہل قلم نے انسان دوستی کی آفاقی اقدار کو ذہن میں رکھ کر لفظ و معنی کے رشتے میں امن، محبت، خیر کے رنگ ملائے ہیں۔ اور عالمی گاؤں کے تصور میں زندگی کے صحت مند رویوں کا احساس دلایا ہے۔ تخلیقی بیانیہ کسی پروپیگنڈے کا شکار نہیں نہ ہی اس پر جذباتیت کے مہیب سائے چھائے ہیں۔ یہ ادب میں جمہوری مزاج کا عکاس بیانیہ ہے۔ وبا کے سانحات پر ابتدائی تخلیقی رویے بتاتے ہیں کہ ادیب وقت کے ساتھ ساتھ کورونا کے المیے پر مزید طبع آزمائی کریں گے اور اپنی تخلیقی آواز زیب قرطاس کریں گے جس کی بنیادوں کے بغیر اردو ادب کی تاریخ نامکمل ہے۔

انسانی تاریخ میں پہلی مرتبہ یہ منظر دیکھا گیا کہ پوری دنیا میں ایک بیماری کی وجہ سے لوگ ایک دوسرے سے دور ہو گئے، کیونکہ اس بیماری میں قربت موت کے قریب لے جاتی ہے، جب کہ دوری باعث نجات ہے۔ سگمنڈ فرائڈ موت کے متعلق لکھتے ہیں:

> "موت سے بڑی اور تسلیم شدہ حقیقت بھلا اور کیا ہو سکتی ہے۔ موت فطری، برحق اور ناقابل تردید سچائی ہے اور شاید دنیا کا کوئی انسان بھی اس صداقت سے انکار نہیں کر سکتا۔ لیکن تحلیل نفسی نے دیگر معاملات کی طرح ہمارے اس خیال کو بھی جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا"۔ (۵)

موت اور دیگر سماجی پسماندگی کا یہ خوف ادباء کے قلوب و اذہان سے نثر کے پیکر میں منتقل ہو رہا ہے۔ کورونا کی اس صورت حال نے سب سے زیادہ متاثر انسانی نفسیات کو کیا اور انسان کو خوف و ہیجان کی ایسی کیفیت میں اتار دیا کہ وہ نفسیاتی طور پر دنگ ہو کر رہ گیا اور اسے چاروں جانب سے خوف نے آن گھیرا۔ محمد ندیم سلیم لکھتے ہیں:

> "انسان ایک ایسی مخلوق ہے، جس کے دماغ میں آنے والا “کل” پھنسا ہوا ہے۔ کل کیا ہو گا؟ اس کے دماغ میں حادثات، غربت، بھوک اور بیماری کے خطرات چکراتے رہتے ہیں۔ یہ کوئی بری بات نہیں کہ انسان آنے والے کل کی تیاری کرے۔ مصیبت کے لیے پیسہ جمع کرے، لیکن ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے کیونکہ ہر زندہ چیز کا کوئی محفوظ مستقبل نہیں ہوتا۔ اس کا مستقبل صرف اور صرف موت ہی ہے اور اگر کسی کے اہل خانہ کے دل میں اس کی محبت ہی نہیں، اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اگر آنے والی لامتناہی زندگی کی تیاری ہی نہیں تو پھر یہ دولت یا پیسہ اس کے کس کام کا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ویسے بھی بڑھاپا زندگی کو انجوائے کرنے کی انسانی صلاحیت کم کرتا چلا جاتا ہے۔ (۶)

لہذا اس صورت حال کو ادباء نے اولین ترجیح دیتے ہوئے معاصر تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنا موضوع بنایا۔ مجوزہ موضوع بھی اس وبا سے متعلق لکھی گئی نثر میں خوف کے عناصر کے تجزیاتی مطالعہ سے متعلق ہے، جس میں براہ راست ان متون کا مطالعہ کیا گیا ہے۔

بیان مسئلہ (Statement of Problem/ Thesis Statement)

کورونا وائرس نے چوں کہ دنیا کے ہر خطے کو متاثر کیا ہے، ہر شخص اس کے خوف میں مبتلا ہے، یہی خوف ادبا کے اذہان سے نثر میں در آیا اور یہ نثر کورونائی نثر کہلائی۔ اردو کے معروف ادباء نے اسے موضوع

سخن بنایا۔ اس میں مختلف اندیشوں اور خدشوں کا اظہار کیا گیا۔ اس سے بچاؤ کے لیے SOPs بنائے گئے، جن پر عمل کرنے کے لیے قوم کو برانگیخت کیا گیا۔

مجوزہ تحقیق میں کورونائی نثر میں خوف کے عناصر کا تجزیاتی مطالعہ کیا جائے گا، تاکہ کورونائی نثر میں خوف کے عناصر کی مختلف جہات اور متعلقات کی تفہیم کی جا سکے۔

مقاصد تحقیق: (Research Objectives)

مجوزہ مقالے کے مقاصد درج ذیل ہیں:

۱. ادب کے معاصر میلانات کے تناظر میں کورونائی ادب کا تجزیہ کرنا۔
۲. اردو نثر پر کورونا کے اثرات کا جائزہ لینا۔
۳. کورونائی نثری فن پاروں میں خوف کی پیش کش کا مطالعہ کرنا۔

تحقیقی سوالات:(Research Questions)

مجوزہ مقالے میں درج ذیل سوالات کو مد نظر رکھا گیا ہے۔

۱. معاصر ادبی میلانات کے تناظر میں کورونائی ادب کیا ہے؟ اور اسے کس طور پیش کیا گیا ہے؟
۲. کورونا وائرس نے اردو نثر پر کیا اثرات مرتب کیے؟
۳. کورونائی نثری فن پاروں میں کورونا کی معاشرتی صورت حال کی عکاسی کیسے کی گئی اور اس تناظر میں معاشرتی خوف و ہیجان کو کیسے موضوع بنایا گیا؟

نظری دائرہ کار:(Theoretical Framework)

ادب اور سماج کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے، جس میں سے کسی ایک عنصر کو بھی دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ ادب ہمیشہ سے سماج سے وابستہ رہا ہے اور سماجی ذمہ داریوں کو قبول کرتا رہا ہے۔ سماج جو ایک بہت بڑا ادارہ ہے، اس ادارے کے رویے، رجحان اور دیگر عناصر، معاشرے کے افراد اور افراد کی

تحاریر و تقاریر پر براہ راست اثر انداز ہوتے ہیں اور اکثر و بیشتر سماجی صورت حال ان تحاریر کا رخ موڑنے کا باعث بنتی ہیں۔ کورونا وبا بھی معاشرے میں تحاریر کا رخ متعین کرنے کا باعث بنی اور پر زور اظہار ہوا۔

کورونا معاشرے میں سب سے زیادہ "خوف" (Fear) اور بالخصوص موت کے خوف: (Fear of Death) کا باعث بنا۔ موت، انسانی زندگی کی نہ صرف سب سے بڑی حقیقت ہے بلکہ یہ حقیقت کے ساتھ ساتھ سب سے بڑا خوف بھی ہے۔ ایک ایسا خوف کہ جس کی وجہ سے انسان جیتے جی ہر شئے سے عاری ہو سکتا ہے۔

کورونا نے ہر انسان کی نفسیات پر ایسا خوف مسلط کیا کہ جس سے تمام لوگ ایک دوسرے سے بہت دور ہو گئے۔ خوف، بالخصوص موت کا خوف مسلط کیا کہ جس سے تمام لوگ ایک دوسرے سے بہت دور ہو گئے۔ خوف اور بالخصوص موت کا خوف کیا ہے؟

> "...Death is an irreversible state, which can be diagnosed in terms of the cessation of crucial cardio respiratory and neural functions. Normally it is assumed that death takes place at a specific moment, although from a biological standpoint death can be considered as a more gradual process"..
>
> ترجمہ: "موت ایک ناقابلِ واپسی کیفیت ہے۔ جن کی ان الفاظ میں شناخت کی جا سکتی ہے کہ دل، دماغ اور سانس کے رک جانے کے عمل کو موت کہتے ہیں۔ عام طور پر یہ فرض کیا جاتا ہے کہ موت ایک مخصوص لمحے میں وقوع پذیر ہوتی ہے۔ اگرچہ حیاتیاتی نقطہ نظر سے موت کو بڑھوتری کا عمل سمجھا جاتا ہے۔"(۷)

اس حوالے سے مشہور زمانہ ماہر نفسیات "سگمنڈ فرائڈ" (Sigmund Freud) نے اپنا نظریہ پیش کیا۔ اور یہ قیاس کیا کہ لوگ موت کے خوف کا اظہار کرتے ہیں، اس اظہار کو "تھاناٹو فوبیا

(Thanatophibia)کا نام دیا جاتا ہے۔ فرائڈ نے کہا کہ اس نے موت کو گہری تشویش کے ذریعے کے طور پر دیکھا ہے۔ یہ موت ہی نہیں تھی ؟ جس سے لوگوں کو خوف تھا۔ کیوں کہ فرائڈ خوف کے متعلق لکھتا ہے:

"کوئی بھی شخص اپنی موت پر یقین نہیں کرتا"۔(۸)

جس سے خوف آتا ہے وہ موت ہی نہیں، کیوں کہ فرائڈ کے مطابق کوئی مرتا نہیں ہے۔

فرائڈ مزید خوف کے متعلق لکھتے ہیں:

> "وہ لوگ جو موت سے متعلق خدشات کا اظہار کرتے ہیں، دراصل حل نہ ہونے والے بچپن کے تنازعات سے نمٹنے کی کوشش کر رہے ہیں اور اس کے ساتھ وہ جذبات کا اظہار نہیں کر سکتے۔ لہذا موت بس ایک خوف ہے اور کچھ نہیں۔ دراصل یہ خوف بھی اصل میں وہ خوف نہیں، جو انہیں محسوس ہوتا ہے"۔(۹)

فرائڈ کے نزدیک جب کسی چیز کا خیال اسے دیکھے بغیر ہی ہمارے ذہن میں موجود ہو اور ہمیں اس کا مکمل ادراک اور اس کے متعلق سب معلوم ہوں تو یہ کیفیت شعور (Conscious) کہلاتی ہے جب کہ لاشعور (Unconscious) ان خیالات کو کہتے ہیں جو ذہن میں تو موجود ہوتے ہیں مگر ان کی موجودگی کا علم شعوری طور پر نہیں ہوتا۔ فرائڈ کے نزدیک لاشعور ہماری ذہنی سرگرمیوں کی ایک اہم منزل ہے جس میں کسی بھی قسم کے خیالات کا ظہور ہو سکتا ہے جو خیالات نشو نما پا کر پختگی اختیار کرتے ہیں وہ شعور میں منتقل ہو جاتے ہیں اور باقی کمزور خیال لاشعور میں ہی محفوظ رہتے ہیں۔

تحقیقی طریق کار:(Research Methodology)

مجوزہ تحقیق "اردو نثر کے جدید میلانات کے تناظر میں کورونائی نثری فن پاروں کا تجزیاتی مطالعہ "ہے۔ بنیادی طور پر ایک تحقیقی و تنقیدی مطالعہ ہے۔ مجوزہ تحقیقی مقالے کی نوعیت کیفیتی تحقیق

(Qualitative Research) ہے، یعنی مجوزہ تحقیق میں معلومات، تاثرات اور شواہد کو جمع کر کے آخر میں نتائج اخذ کئے گئے ہیں۔ چوں کہ مقالہ میں زبان اور معاصر سماج کے تناظر میں کورونائی نثر پر تحقیق کی گئی ہے، اس لیے دوران تحقیق آن لائن اور دستاویزی طریقہ تحقیق اختیار کیا گیا ہے۔ مجوزہ تحقیق فیلڈ ورک یا سائنسی نوعیت کی نہیں ہے، لہذا موضوع سے متعلق مواد کی جمع آوری اور ترتیب کے بعد تجزیاتی طریقہ کار اختیار کیا گیا ہے۔ مذکورہ کام اردو میں تشنہ تحقیق ہے۔

مجوزہ موضوع پر ما قبل تحقیق: (Work Already Done)

تحقیق کے لیے تجویز کردہ موضوع پر کوئی باقاعدہ تحقیقی کام اس لیے موجود نہیں ہے، کیونکہ کورونا کی وبا چند ماہ پہلے چین کے شہر ووہان سے پھوٹی اور دیکھتے ہی دیکھتے پوری دنیا اس کی لپیٹ میں آ گئی۔ لہذا مجوزہ موضوع پر یہ اپنی نوعیت کا پہلا تحقیقی مقالہ ہے۔

تحدید: (Delimitation)

مجوزہ تحقیقی کام اردو ادب کے معاصر میلانات کے تناظر میں کورونائی نثر میں خوف کے عناصر کے تجزیاتی مطالعہ پر مبنی ہے۔ لہذا اس تحقیق میں عصر حاضر کے وہ افسانے اور ناول شامل ہیں، جن میں کورونائی خوف کا اثر موجود ہے۔ اس کے علاوہ دیگر نثری یا شعری اصناف سخن مجوزہ تحقیق میں شامل نہیں۔

پس منظری مطالعہ: (Literature Review)

مجوزہ موضوع سے قریب تر مواد کسی باقاعدہ کتابی صورت میں دستیاب نہیں ہے، کیونکہ کورونا وبا حال ہی میں سامنے آئی ہے، قبل ازیں اس کے متعلق کوئی بحث نہیں ملتی۔ اس مہلک مرض کی مکمل جہات تاحال معلوم نہیں کی جا سکیں۔ گزشتہ چند ماہ سے پہلے ادباء کے ہاں بھی اس طرح کا کوئی موضوع نہیں ملتا۔ سوشل میڈیا پر جیسے کہ ٹویٹر، فیس بک، یوٹیوب، واٹس ایپ، انسٹاگرام وغیرہ پر وبا اور سماج پر اس کے مجموعی اثرات کے متعلق پوسٹس ملتی ہیں۔ اس قسم کا مواد اخبارات میں خبروں اور کالموں کی صورت میں ملتا ہے، نیز

نیوز چینلز پر اس سے متعلقہ خبریں اور ٹاک شوز دیکھنے کو ملتے ہیں۔ تاہم اردو نثر پر کورونائی وبا کے اثرات یا خوف کی صورت حال پر اس قسم کا تحریری یا تحقیقی کام کی تحریری صورت سامنے نہیں آئی۔

تحقیق کی اہمیت:(Significance of Study)

کورونا وبا معاصر سماجی رویوں میں ایک اہم اور بنیادی رویہ ہے، جس نے انفرادی و اجتماعی، نجی و سرکاری، تحریری و تقریری غرض زندگی کے ہر شعبہ کو متاثر کیا۔ سماج پر اس کے اثرات کے متعلق کالم، خبریں، سوشل میڈیا پر پوسٹس تو سامنے آتی ہیں، مگر اردو نثر پر کورونائی اثرات سے متعلق کوئی تحقیقی کام سامنے نہیں آیا۔ اس لیے یہ اپنی نوعیت کی منفرد اور اولین تحقیق ہے۔ یہ تحقیق ناقدین و محققین کے لیے نئی راہیں ہموار کرے گی، جس سے کورونائی نثر میں خوف کے عناصر، اُردو زبان اور معاصر سماج کی باہمی مطابقت کے نئے زاویے سامنے آئیں گے۔

ب: کورونائی وبا اور اس کا آغاز:

سال ۲۰۲۰ء اپنے دامن میں پھولوں کی مہکار لیے محوِ سفر تھا۔ وقت کا کارواں امن و آشتی کے نغمے الاپنے کے لیے نئی جہتوں کا منتظر تھا خزاں نے ابھی اپنے پر سمیٹے نہ تھے۔ ابھی غنچوں نے اپنا پیرہن نہ بدلا تھا۔ ابھی گل وبلبل کے راز و نیاز بھی نہ ہو پائے تھے۔ پرندوں کی سرمستی ان کی اڑان کو نیا زاویہ نہ دے پائی تھی۔ بہار موسم نے پیرہن نہ بدلا تھا کہ جانے فضاؤں کو کس کی نظر کھا گئی۔ گلوں سے ان کی خوشبو چھن گئی، سرو و سمن چشم حیرت تھے، شفق کی لالی سرمگیں ہو گئی، بہار کا موسم وبا کا موسم بن گیا، چاروں اطراف ایک ہی صدا تھی۔ ہائے کورونا۔۔۔۔۔ ہائے کورونا۔۔۔۔ بس پھر محفلیں اٹھ گئیں۔ جدائی کا موسم فراق کا سندیسہ دینے آ گیا۔ زندگی ساکت ہو گئی۔ کائنات کی رنگینیاں اور اس کا حسن ساون کے اندھے کا خواب ہو گیا۔ بچے ماؤں کی گود میں دبکنے لگے تو ماں نے آنچل سمیٹ لیا۔ ہر طرف موت کا رقص دکھائی دینے لگا۔ جو اس افتاد سے بچ گئے انہیں خوف نے مار دیا، کسی کو تنہائی نے، کسی کو حلال رشتوں میں بھی فاصلوں نے اور تو اور جو کل تک جان سے

پیارے تھے آج غسل و کفن کے بغیر دفن کے نام پر گڑھوں میں پھینکے جانے لگے۔ ہر کوئی اپنی ہی ذات کا قیدی ہو کر رہ گیا۔

کورونا کے خوف نے چند ہفتوں میں پوری دنیا میں دہشت پھیلا دی جس کی وجہ سے لوگ اپنے ہی پیاروں سے کترانے لگے اور فاصلے بڑھتے چلے گئے۔ ڈپریشن، ڈر اور خوف نے لوگوں کے دلوں میں ڈیرے ڈال دیے اور ہنستے کھیلتے انسان مایوسی، بیزاری اور بے اعتنائی میں زندگی گزارنے لگے۔ ڈپریشن، ڈر یا خوف ایسے مرض ہیں جو جیتے جاگتے انسانوں کو در گور ہونے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ خواب صرف خواب ہی رہ گئے خواب کہ جس کی بنیاد پر ہمارا مستقبل کھڑا ہوتا ہے اور جن کی تکمیل ہی ہمارے روشن مستقبل کی پہچان ہے۔

> "ذہن کا ایک حصہ منطق کے بغیر بھی کام کرتا ہے۔ لیکن پھر بھی کسی نہ کسی حوالے سے کچھ نہ کچھ حصے میں منطق ضرور موجود ہوتی ہے۔ خواب با مقصد ہوتا ہے، خواب تکلیف دہ صورت حال کی نئے سرے سے تعمیر کرتا ہے۔ گویا خوابوں میں گریز کا پہلو مکمل طور پر موجود نہیں بلکہ ان میں حالات سے مقابلے کی خواہش موجود ہوتی ہے"۔ (۱۰)

انسانوں نے انہی ٹوٹے خواب کے سہارے اپنی زندگی کے بقیہ ایام گزارنے شروع کر دیے لیکن کورونا کی وبا دن بدن زور پکڑتی چلی گئی اور جب لوگوں کو پتہ چلا کہ اب ان کے خواب جو انہوں نے اپنی زندگی کی آسائش کے لیے بنے ہوئے تھے وہ ٹوٹ رہے ہیں تو ڈپریشن اور خوف جیسی بیماری نے اپنی آماجگاہ لوگوں کے دلوں میں بنائی اور ہر کوئی شعوری اور لاشعوری طور پر اس جال میں پھنستا ہی چلا گیا۔ فرائڈ نے انا کو شعور کی نمائندہ کہا ہے وہ کہتا ہے:

> "جب خارجی مشکلات کا سامنا اور ان سے متصادم ہو تو انسان کا خارج سے رابطہ منقطع ہو جاتا ہے اور اس سے ذہنی نفسیاتی اور داخلی بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے"۔ (۱۱)

کورونا کی وجہ سے خوف اور ڈپریشن کا یہ عالم تھا کہ ہر کسی کا اٹھایا گیا اچھائی کی طرف قدم اس ڈر اور ڈپریشن کی وجہ سے نقصان کی زد میں آجاتا۔ لوگوں کو اپنے ہی کاروبار سے نقصانات ہونا شروع ہو گئے جس کی بنیادی وجہ ڈپریشن ہی تھا۔

کورونا وائرس جسے کووڈ-۱۹ (Covid - ۱۹) کا نام دیا گیا۔ ۲۰۱۹، ۲۰۲۰، ایک عالمگیر وبا دنیا بھر میں پھوٹ پڑی۔ سارس کووی ۲ نامی وائرس کا دسمبر ۲۰۱۹ء میں چینی صوبہ ہوبئی کے شہر ووہان میں اس وبا کا ظہور ہوا اور اس برق رفتاری سے پھیلا کہ چند ہی مہینوں کے بعد ۱۱ مارچ ۲۰۲۰ء کو عالمی ادارہ صحت (WHO) نے اسے عالمی وبا قرار دے دیا۔ ۲۷ / مارچ تک ۱۹۰ ملکوں کے مختلف خطوں میں اس وبا کے ۵ لاکھ انچاس ہزار سے زائد متاثرین کی اطلاع آچکی تھی جن میں سے ۲۴ ہزار ایک سو افراد اس مرض سے لقمہ اجل بن گئے، جبکہ ایک لاکھ اٹھائیس ہزار متاثرین کے صحت یاب ہونے کی اطلاع ہے۔

> "کورونا وائرس کے نام سے آشنائی دسمبر ۲۰۱۹ء میں ہوئی اور اسکا ابتدائی مرکز چین تھا۔ اسکے پھیلاؤ اور علاج کے لئے سارا علاقہ بند کر دیا گیا۔ لیکن وائرس چین سے نکل کر پوری دنیا میں پھیل گیا"۔(۱۲)

اب تک اس مرض کی کوئی ویکسین ایجاد نہیں ہوئی۔ یہ وائرس ساری دنیا میں پھیلنے لگا تو اس کی مزید روک تھام کے لیے اسفار پر پابندی، قرنطینہ، کرفیو، تالا بندی، اجتماعات اور تقریبوں کا التوا یا منسوخی، عبادت گاہوں اور سیاحتی مقامات کو مقفل کر دینے جیسے اقدامات کیے جانے لگے۔ ہوبئی کا قرنطینہ، اطالیہ اور یورپ کے تمام علاقوں کی مکمل تالا بندی، چین اور جنوبی کوریا میں کرفیو، سرحدوں کی بندش، ہوائی اڈوں اور ریلوے اسٹیشنوں پر سخت جانچ قابل ذکر ہیں۔ ۱۲۴ سے زائد ملکوں میں اسکولوں اور جامعات کو بھی بند کر دیا گیا ہے جس کی وجہ سے ۱۲۰ کروڑ طلبہ کی تعلیم متاثر ہوئی۔

> "چین کے کیے گئے حفاظتی اقدامات کو عالمی ادارہ صحت نے اپنایا اور پالیسی کے طور پر اسے پوری دنیا پر نافذ کر دیا۔(۱۳)

یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ اس وبا نے عالمی سطح پر معاشرتی اور معاشی صورت حال کو سخت اضطراب سے دوچار کر دیا۔ ضروری اشیا کی قلت کے خوف سے خریدار بدحواس ہو گئے اور دیہاڑی دار مزدوروں کی روزی چھن گئی۔ اس سب کے باوجود وائرس کے متعلق سازشی نظریوں اور گمراہ کن معلومات کی آن لائن اشاعت زوروں پر رہی اور ہے، جس نے چینی اور مشرقی ایشیائی قوموں کے خلاف تعصب اور نفرت کے جذبات پروان چڑھائے۔

> "اس وائرس کا پہلا حملہ لوگوں کی جان پر ہوا۔ ۱۹. ۳ ملین لوگوں کی زندگی اب تک کورونا نگل گیا ہے۔ اسکا دوسرا حملہ معیشت پر تھا۔ جس کی زد میں ہر شعبہ زندگی متاثر ہوا لیکن چند انڈسٹریز شدید ترین متاثر ہوئی جیسا کہ ائیر لائینز، سپورٹس، تعلیمی ادارے، سیاحت، ہوٹلنگ، شادیہالز اور سینما وغیرہ اس تباہی کی زد میں آئے"۔(۱۴)

یہ ایک کھلی حقیقت ہے کورونا وائرس نے دنیا بھر میں خوف کی لہر دوڑا دی ہے، لیکن اس کے باوجود تمام تر شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وائرس اتنا خطرناک نہیں ہے جتنا بڑا اس سے پیدا ہونے والا خوف ہے۔

> "Any consideration of the mood disorders must include some discussion of suicide. People take their lives for many reasons, but a very common reason is depression. The life time risk of suicide among people with mood disorder is estimated at ۱۹ percent... in a sample of adolescent who had committed suicide, It is found that almost half had been depressed before the fatal attempt"
>
> ترجمہ: "کسی بھی بدلتے مزاج کی غوروفکر سے متعلق گفتگو میں خودکُشی کے بارے میں کچھ بحث لازمی شامل ہوتی ہے۔ لوگ کئی وجوہات کی بناء پر اپنی جان لے لیتے ہیں، لیکن ایک بہت عام وجہ ڈپریشن ہے۔ بدلتے مزاج کے لوگوں میں خودکُشی کے زندگی بھر کے خطرے کا اندازہ ۱۹ فیصد لگایا گیا ہے۔ بالغوں کے گروہ میں جو خودکُشی کر چکے تھے یہ پتا چلا ہے کہ اس مہلک کوشش سے پہلے ان میں سے تقریباً آدھے ذہنی دباو کا شکار تھے"۔(۱۵)

ہم تاریخ کے صفحات پلٹتے جاتے ہیں اور ایک سے بڑھ کر ایک وبا اور اس کی ہلاکت خیزی ہمارا دل دہلا دیتی ہے۔ ان خوفناک وباؤں نے بڑے پیمانے پر انسانی آبادی کو درہم برہم کر کے رکھ دیا۔ ۱۳۴۷ء سے ۱۳۵۱ء میں طاعون کی وبا پھیلی اور اس سے اتنی ہلاکتیں ہوئی کہ اسے سیاہ موت کہا گیا اور اس وبا سے ساڑھے سات کروڑ سے بیس کروڑ تک ہلاکتیں ہوئیں۔

> "زندگی کے پریشان کن حالات و واقعات اور ان کا لاشعور کا حصہ بن جانا نہ
> صرف انسان کو (Depression) اضمحلال سے دوچار کرتا ہے بلکہ اسے
> اس کیفیت میں مزید شدت سے بھی مسلسل ہمکنار کرتا رہتا ہے"۔(۱۶)

یہی بیماریاں اور ان سے پیدا ہونے والا خوف انسان کے لاشعور میں اپنی جگہ بنائے مستقل ڈیرے لگائے ہوئے ہے۔ انسانی تاریخ بھی اتنے بڑے سانحے سے دوچار نہیں ہوئی طاعون کی اس وبا نے دنیا کو اس قدر متاثر کیا کہ کہا جاتا ہے کہ اگر یہ وبا نہ آئی ہوتی تو آج دنیا کا نقشہ کچھ اور ہوتا۔ ماہرین کے مطابق طاعون کا جرثومہ مشرقی ایشیا سے ہوتا ہوا تجارتی راستوں کے ذریعے مشرقی وسطی اور پھر یورپ جا پہنچا جہاں وہ ۳۰ فیصد سے ۶۰ فیصد آبادی کو موت کے منہ میں لے گیا۔ تباہی اس قدر بھیانک تھی کہ پورے شہر میں مردوں کو دفنانے والا کوئی نہیں بچا۔ اس وبا کے اثرات کی وجہ سے تاریخ میں پہلی بار دنیا کی مجموعی آبادی کم ہو گئی اور دوبارہ آبادی کی اس سطح تک پہنچنے کے لیے دنیا کو دو سو سال لگ گئے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جب دنیا ابھی ابھی پہلی عالمی جنگ کی تباہی کے ملبے تلے دبی ہوئی تھی یعنی ۱۹۱۸ء تا ۱۹۲۰ء اس وقت دنیا کی آبادی پونے دو ارب کے قریب تھی، جب کہ ہسپانوی فلو نے تقریباً ہر چوتھے شخص کو متاثر کیا۔ اس وقت جنگ کی صورت حال کی وجہ سے یورپ کے بیشتر حصوں میں اس فلو سے ہونے والی ہلاکتوں کو چھپایا گیا، جب کہ اسپین چونکہ جنگ میں شامل نہیں تھا اور وہاں سے بڑی ہلاکتوں کی خبریں آنے کے بعد یہ تاثر ملا جیسے اس بیماری نے خاص طور پر اسپین کو ہدف بنایا ہے۔ عام طور پر فلو بچوں اور بوڑھوں کے لیے زیادہ مہلک ثابت ہوتا ہے، لیکن ہسپانوی فلو نے جوانوں کو خاص طور پر ہلاک کیا۔ اسی طرح ایڈز / ایچ آئی وی وجود میں آئی جس کا وائرس مغربی افریقہ میں چمپینزیوں سے انسان میں منتقل ہوا اور پھر وہاں سے بقیہ دنیا میں پھیل گیا۔ اس بیماری نے سب سے زیادہ افریقہ

کو متاثر کیا ہے اور حالیہ برسوں میں دنیا بھر میں ہونے والے ساٹھ فیصد سے زیادہ مریضوں کا تعلق زیریں صحرائے صحارا افریقہ سے ہے۔ تاریخ کا جائزہ لیتے ہوئے ہم طاعون کی ایک اور وبا دیکھتے ہیں ۵۴۱ء تا ۵۴۲ء سٹین طاعون جس سے ڈھائی کروڑ ہلاکتیں ہوئیں اس وبا نے دو سال کے اندر اندر باز نطینی سلطنت اور اس سے ملحقہ ساسانی سلطنتوں کو سیلاب کی طرح لپیٹ میں لے لیا۔ اس وبا کا اثر اس قدر شدید تھا کہ ماہرین کے مطابق اس نے تاریخ کا دھارا ہی بدل کر رکھ دیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس وبا نے ان سلطنتوں کو اتنا کمزور کر دیا تھا کہ چند عشروں بعد عرب بڑی آسانی سے دونوں کو الٹنے میں کامیاب ہو گئے۔ اسی طرح کو کولز تلی نامی وبا نجی میکسیکو میں آئی تھی، اس کی وجہ بھی وہی تھی یعنی براعظم امریکا کے مقامی باشندوں میں یورپی جراثیم کے خلاف عدم مدافعت لیکن اس وبا نے دوسری کے مقابلے پر کہیں زیادہ قیامت ڈھائی اور پچاس لاکھ سے ڈیڑھ کروڑ لوگوں کو موت کی نیند سلا دیا۔ یہ اعداد و شمار اس لحاظ سے بے حد لرزہ خیز ہیں کہ اس وقت آبادی آج کے مقابلے میں بہت کم تھی اور تصور کیا جا سکتا ہے کہ اس نے کیسے پورے ملک کو بنجر بنا کر رکھ دیا ہو گا۔ انتونین کی وبا سے پچاس لاکھ سے ایک کروڑ تک ہلاکتیں ہوئیں۔ یہ دہشت ناک مرض اس وقت پھیلا جب رومی سلطنت اپنے عروج پر تھی۔

۱۶۵ / عیسوی سے ۱۸۰ / عیسوی تک جاری رہنے والی اس وبا نے یورپ کے بڑے حصے کو تہہ و بالا کر کے رکھ دیا۔ مشہور حکیم جالینوس اسی دور میں گزرا ہے اور اس نے مرض کی تفصیلات بیان کی ہیں، تاہم یہ واضح نہیں ہو سکا کہ یہ مرض کونسا تھا، اور اس سلسلے میں خسرہ اور چیچک دونوں کا نام لیا جاتا ہے۔ جب ہسپانوی مہم جوؤں نے براعظم امریکا پر دھاوا بولا تو اس سے انسانی تاریخ کے ایک ہولناک المیے نے جنم لیا۔ مقامی آبادی کے جسموں میں یورپی جراثیم کے خلاف کسی قسم کی مدافعت موجود نہیں تھی، اس لیے ان کی بستیوں کی بستیاں تاراج ہو گئیں۔

حالیہ چند برسوں سے چین اور امریکہ کے مابین تجارتی جنگ نے عالمی معیشت کو خطرات سے دوچار شروع کر دیا جس سے ایک نئے عالمی بحران کے جنم لینے کی توقعات میں بھی بتدریج اضافہ ہوا ہے۔ عالمی سطح پر درپیش بحران، انتہائی دائیں بازو کے نظریات میں تیزی، بین الاقوامی اداروں کے اثر رسوخ میں گراوٹ اور

شامی بحران کی طرح کے دیرینہ مسائل عالمی سسٹم کے مستقبل کے حوالے سے سوالیہ نشانات کھڑے کرنے کے موجب بنے ہیں۔ تاہم کسی نے بھی ان مسائل کے عالمی نظام کو قنوطیت پسندی اور غیر یقینی کی جانب دھکیلنے کے طور پر بیان نہیں کیا۔ کوڈ ۱۹ ماہ جنوری میں چینی صوبے ووہان میں ظہور پذیر ہوتے ہوئے تین ماہ جیسے قلیل عرصے میں پوری دنیا میں سرایت کرنے والے کرونا وائرس کی عام وبا نے عالمی نظام کو گہرائیوں سے متاثر کیا ہے۔

> "پاکستان میں معیشت پہلے ہی بیرونی قرضے کی محتاج تھی اور عوام قرض اور کرائے کے منحوس چکر میں کولہو کے بیل کی مانند چلتے ہیں۔ لیکن کورونا وائرس نے اس چکر کو روک دیا ہے اب اس کا قرض بڑھتا جا رہا ہے اور کرایہ بھی۔ کمزور حکومت اور استحصالی معاشرے نے اس صورتحال کو مزید بدتر کر دیا ہے۔ ہر آنے والا دن گزشتہ دن سے مشکل ہوتا جا رہا ہے"۔(۱۷)

حالیہ دس برسوں میں عالمی سیاست میں مختلف پیش رفتیں سامنے آچکی ہیں۔ نائن الیون واقعہ کے ساتھ عالمی نظام کو سیکورٹی بحران کا سامنا کرنا پڑا تھا جس نے بعد ازاں داعش کے جنم لینے کے بعد مختلف ممالک میں طاقت پکڑنے سے یہ بحران مزید طول پکڑ گیا۔ لیکن کورونا وبائی مرض توقعات اور ظاہری حیثیت سے کہیں زیادہ بڑھ کر کسی سنگین بحران کی جانب بڑھنے کا اشارہ دے رہا ہے اور اس سے عالمی نظام کا مستقبل بتدریج غیر یقینی کی صورتحال سے دوچار ہے۔

کورونا وائرس اب سے پہلے انسانی سلامتی کو براہ راست متاثر کرنے والا صحت کا ایک عالمی مسئلہ ہے۔ انسانی سلامتی کو ۱۹۸۰ء کی دہائی سے عالمی سیاست و سلامتی کے مرکزی معاملات میں سے ایک کی حیثیت حاصل ہے۔ کورونا وائرس نے انسانی سلامتی و صحت پر وسیع پیمانے کے اثرات پیدا کرنے شروع کر دیئے ہیں۔ اس کے پہلے اور سب سے اہم اثرات بلاشبہ عالمی اقتصادیات میں محسوس کیے جا رہے ہیں۔ اس مہلک مرض کے کب تک جاری رہنے، کب تک کنٹرول، انسانی صحت پر قائم کرنے والے نقصانات اور دوبارہ سے اپنا چہرہ

نمودار کرنے یا نہ کرنے کے حوالے سے غیر یقینی نے عالمی معیشت کو بری طرح متاثر کرنا شروع کر دیا ہے جس کے اثرات ہم سب محسوس کرنے لگے ہیں۔

> "انسانی تاریخ میں شائد یہ پہلا موقعہ ہے اس وبا نے انسانی اجتماع کو ختم کر کے رکھ دیا ہے اور اس سے حفاظت تنہا رہنے میں ہے۔ جبکہ نسل انسانی کی بقا اجتماعیت میں ہے۔ اصل Dilemma (المیہ) یہی ہے کہ ایک طرف اکیلی زندگی ہے اور دوسری طرف موت۔ چیلنج یہ ہے فرد معاشرے کا حصہ رہتے ہوئے وبا کے دوران زندہ رہے۔ سماجی نظم وضبط بقا کی ضمانت ہے"۔(۱۸)

چین کی شرح نمو کے مخالف سمت پکڑنے، چینی پیداوار کے بعض شعبہ جات میں جمود کا شکار ہونے، اٹلی، فرانس، جرمنی اور اسپین کی طرح کے یورپی معیشت کے سرکردہ اداروں میں زندگی رک جانے، امریکہ کی طرح کے اداروں کو کاروائیاں کرنے پر مجبور کیا ہے۔ امریکی مرکزی بینک فیڈ کی جانب سے سات سو ارب ڈالر کی خطیر رقم کی مداخلت کے باوجود مالی منڈیوں میں اس کے اثرات تقریباً نہ ہونے کے مترادف ہیں۔ آئی ایم ایف کی طرح کی عالمی اکانومی تنظیموں کے مشیر اول کے بھی فرائض ادا کرنے والے کینت ریگوف نے دعویٰ کیا ہے کہ عالمی معیشت اوپر تلے کساد بازاری کا شکار ہوتے ہوئے رسیشن کا شکار ہو جائے گی۔ آکسفورڈ ریسرچ انسٹیٹیوٹ نے خارجہ قرضوں کے حامل ممالک کے قرضوں کی ادائیگی میں مشکلات سے دوچار ہونے کا اعلان کیا ہے۔ دوسری جانب امریکی مرکزی بینک زیادہ عمل درآمد نہ ہونے والے مالی وسعت پالیسیوں پر عمل پیرا ہو گا۔ فرانس سے پانچ سو ارب یورو کی خطیر رقم کو کورونا کے خلاف اقدامات میں استعمال کرنے کا اعلان کیا ہے۔ یہ اقدامات اقتصادی جمود میں سست روی لانے سے قاصر ہیں کیونکہ عالمی معیشت اس وقت جمود کے قریب پہنچ چکی ہے۔ اگر حالات اسی ڈگر پر چلتے رہے تو پھر ایسا لگتا ہے کہ آئندہ دو برسوں تک عالمی معیشت میں بہتری ممکن نہیں ہو سکے گی۔ یہ صورتحال بین الاقوامی سطح پر کٹھن حالات کو جنم دے سکتی ہے اور اس سے نازک اقتصادی حالات کے حامل ممالک کا دیوالیہ بھی نکل سکتا ہے۔ لہذا کورونا وبا عالمی معیشت کو کسی

بحران میں دھکیلنے سے بھی آگے بڑھتے ہوئے عالمی معیشت کے کسی نئے ڈھانچے کو وضع کیے جانے کا تقاضا پیش کر سکتا ہے۔

اس وبا کا عالمی نظام سے تعلق رکھنے والا ایک دوسرا پہلو عالمی سلامتی سے براہ راست تعلق رکھتا ہے۔ جیسا کہ جمہوریہ ترکی کا کہنا ہے کہ "یہ مسئلہ عالمی سطح کا ہے لیکن جدوجہد قومی سطح پر محیط ہے۔" یہ عمل تمام تر ممالک کو اپنا بچاؤ کرنے کے طرائق کو اپنانے پر مجبور کر رہا ہے۔ ہر ملک اپنے آپ کو اور اپنے شہریوں کو بچانے کے لئے سرگرم ہے۔ چین، اٹلی، فرانس، امریکہ، اسپین، امریکہ اور یورپ کے متعدد ممالک نے انتہائی سخت تدابیر پر عمل درآمد شروع کر دیا ہے۔ ترکی بھی اس حوالے سے شروع سے ہی وسیع پیمانے کی تدابیر اٹھانے والے ممالک کی صف میں شامل ہے۔ تمام تر ممالک فضائی رابطے کو تقریبا پوری طرح بند کر چکے ہیں، فرانس نے تمام تر بری سرحدوں کو آمدورفت کے لیے بند کرنے کا اعلان کیا ہے تو برطانیہ یورپ اور پوری دنیا سے ہٹ کر ایک مختلف طرز کی حکمت عملی پر عمل پیرا ہے۔ تاہم تازہ خبروں کے مطابق برطانوی عوام میں ہر گزرتے دن افراتفری کا ماحول پیدا ہونے کا مظاہرہ ہو رہا ہے۔ ڈاکٹر صفیہ عباد لکھتی ہیں:

> "ایک تھیوری کے مطابق روز مرہ معاملات زندگی میں جب اداسی اور مایوسی
> کا عنصر بڑھتا جائے تو اس Disorder سے ڈپریشن کی کیفیت پیدا ہونے لگتی
> ہے۔ گویا اداسی کا تناسب یہاں کیفیت میں نہیں۔ مقدار میں مضمر ہے۔
> اس تھیوری کو Continuity Hypothesis کا نام دیا جاتا ہے"۔(۱۹)

دوسری جانب فرانس نے بلدیاتی انتخابات کے دوسرے مرحلے کو موخر کر دیا ہے تو اسپین نے نجی اسپتالوں کے انتظامی امور کو سرکاری تحویل میں لینے کا اعلان کیا ہے۔ ہالینڈ میں سال ۱۹۷۳ء کے تیل کے بحران کے بعد پہلی بار کسی وزیر اعظم نے قوم سے خطاب کیا ہے۔ امریکہ میں وائرس کے پھیلاؤ کے بعد سے انفرادی طور پر اسلحہ کی خرید میں تیزی سے اضافہ دیکھنے میں آرہا ہے۔ اگر یہ حالات جاری رہے تو افراتفری کا ماحول اولین طور پر قومی سلامتی کے مسائل کے ظہور پذیر ہونے اور بعد میں ملکوں کے اندر اور بین الاقوامی دیگر مسائل کو جنم دے سکتا ہے۔

> Neurotics do not lose their ability to interact with their environment in a reasonably efficient manner. Psychotics do, partly because their thinking processes are often disturbed by hallucinations, or false sensory perceptions, and delusion, or false beliefs. This same neurotic psychotic distinction is often applied to depression. In psychotic depression hallucination, delusions, or extreme withdrawal effectively cut the tie between the person and the environment. Manic episodes can also have psychotic features".

> ترجمہ: "نیوروٹکس اپنے ماحول میں مناسب اور موثر انداز کے ساتھ مطابقت کی صلاحیت نہیں کھوتے جبکہ نفسیاتی ماہرین کسی حد تک یہ صلاحیت کھو دیتے ہیں کیونکہ ان کے سوچنے کی صلاحیت اکثر فرضی خیالات، غلط حسی افکار، فریب نظر یا غلط عقائد کی وجہ سے متاثر ہوتی ہے۔ یہی اعصابی امتیاز اکثر ذہنی دباو پر عمل درآمد ہوتا ہے۔ یہ اعصابی تناو، فرضی خیالات، اور فریبِ نظر انسان اور ماحول کے تعلق کو کاٹ دیتا ہے۔ پاگل پن کے دورے میں بھی اعصابی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ "(۲۰)

اس عالمی وبا نے عالمی اقتصادی و سلامتی طرح کے دو بنیادی ستونوں کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ یہ دونوں ستون عالمی سسٹم کے مستقبل کے کس رخ کو اختیار کرنے کا تعین کریں گے اور ایسا دکھائی دیتا ہے کہ اب کے بعد رونما ہونے والے حالات تمام تر عالمی اداکاروں کو قوت مدافعت کی پیمائش کی آزمائش کے سلسلے میں داخل کریں گے۔

پہلی مزاحمت انفرادی سطح پر ملکی معیشت پر نظر آئے گی۔ مضبوط اقتصادیات وبا کے حوالے سے اٹھائے جانے والے اقدامات کے لیے مالی مشکلات سے دوچار نہیں ہوں گی تاہم منظر عام پر آنے والے اتار چڑھاؤ سے آخر کار یہ بڑی اقتصادیات وسیع پیمانے کی مشکلات سے نبرد آزما ہونے پر مجبور ہو جائیں گی۔ کمزور اقتصادیات کے پاس مزید کھونے کو کچھ باقی نہیں بچے گا۔ دوسرا مزاحمتی ٹیسٹ سماجی و انفرادی نفسیات پر ہو

گا۔ افراتفری اور کشمکش کے شکار ہونے والے انسانوں کی تعداد میں اضافہ سماجی نفسیات اور برتاؤ پر اثر انداز ہو گا جو کہ سیاسی افراتفری کا موجب بننے والے نتائج کو جنم دے گا۔

جسم کا پورا تعمیراتی نقش موجود ہوتا ہے۔ اتنا مکمل نقش کہ اگر کوئی خلیہ اپنے قبیلے (جسم) سے بچھڑ جائے تو ڈی این اے کے مطالعے اور تقابل سے بلا کسی شے کے پہچان کی جاسکے۔ کہ یہ کس جسم سے نکلا ہے۔

اس بنا پر سماجی مزاحمت قوی ہونے والے معاشرے کم نقصانات کے ساتھ اس دور سے نکلنے سے کامیاب رہیں گے۔ معیاری عمل درآمد اور لائحہ عمل پر عمل پیرا ہونے والی حکومتیں اس وبا سے کم سے کم سطح پر متاثر ہوں گی۔ کمزور مملکتیں مزید لاغر بن جائیں گی اور شاید انتہائی سنگین حالات کا سامنا کریں گی۔ اس وبا کے خاتمے کے بعد ہم سب کو ایک ملبے کا سامنا ہونے کا احتمال قوی ہے۔ یہ ملبہ کسی نے عالمی نظام کے قیام کے لیے کس طرح کی زمین ہموار کرے گا ہم سب اس کامل کا مشاہدہ کریں گے۔

کورونا وائرس کے پھیلاؤ نے ایک بار پھر اس بات کی یاد دہانی کرائی کہ آج گلوبل ویلیج میں کوئی ملک دوسرے ملکوں سے ہٹ کر گزارا نہیں کر سکتا۔ کورونا وائرس اب ایک عالمی چیلنج میں تبدیل ہو گیا ہے۔

> "زندگی کی دوڑ میں بقاء اسی ذی روح کی ہے جو بہترین کی طرف راغب ہو اور ماحول کو اپنانے کی صلاحیت باقیوں سے زیادہ ہو۔ موجودہ ہنگامی صورتحال جو کورونا سے پیدا ہوئی ہے اس میں بھی یہی اصول بقاء لاگو ہو گا"۔ (۲۱)

کورونا وائرس کے اس عالمی چیلنج نے تمام ملکوں کو وبائی مرض کے بحران سے دوچار کر دیا ہے۔ کووڈ-۱۹ نے سب سے پہلے چین کو متاثر کیا لیکن اب تمام ممالک اس وبائی مرض کا شکار ہو گئے ہیں۔ روزانہ بہت سے افراد کورونا وائرس کا شکار ہو جاتے ہیں اور ان میں سے بعض افراد اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔ مولانا محمد اسلم شیر پوری لکھتے ہیں:

> "اس وقت دنیا کے اکثر ملکوں میں کورونا وائرس کی وبا پھیل چکی ہے اور پوری انسانیت کورونا وائرس کے خوف میں مبتلا ہے، مشرق سے مغرب تک، شمال

> سے جنوب تک ایسا خوف، ایسی قید بھی نہ دیکھی اور نہ سنی اور نہ ہی تصور کی ہے ۔ پورے کرہ ارض میں کاروبار زندگی جام ہو کر رہ گیا۔ تمام تعلیمی ادارے، سکول، کالج اور مدارس دینیہ بند کر دیئے گئے۔ مساجد اور عبادت گاہوں میں حاضری محدود کر دی گئی اور بعض مساجد کو تالے لگا دینے کی خبر بھی میڈیا پر آئی ہیں"۔ (۲۲)

اس صورتحال میں حکومتیں زیادہ مداخلت کیساتھ نئی پالیسیاں اپناتی ہیں، مختلف ممالک میں شہریوں پر زیادہ پابندیاں عائد ہوتی ہیں، مزید شہر قرنطینہ ہو جاتے ہیں، اسٹاک ایکسچینج کو یکے بعد دیگرے فروخت کی کمی کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور کمپنیاں، فیکٹریاں اور دفاتر بند ہوتے جا رہے ہیں جبکہ بین الاقوامی نقل و حمل کا نظام بھی تقریباً رک گیا ہے۔ کنزیٰ خالق ماہنامہ بیاض، لاہور میں لکھتی ہیں:

> "خوف کی شدت نے ایک دوسرے تک رسائی پانے کو رستے۔۔۔۔۔ سبھی در دریچوں کو بند کرنے پر مجبور کر دیا۔۔۔ گھر اجڑ گئے۔۔۔ بستیاں ویران ہو گئیں۔۔۔۔ دعائیں آسمان سے لوٹائی جانے لگیں۔۔۔ قدرت نے لوگوں پر عبادت گاہوں کے دروازے تک بند کر دیئے"۔ (۲۳)

حالیہ دہائیوں میں بین الاقوامی نظام کو متعدد بحرانوں اور مسائل کا سامنا کرنا پڑا لیکن ان میں سے کوئی بھی کورونا وائرس کی طرح تمام ممالک بشمول چین، امریکہ، ایران، اٹلی، اسپین، یورپ، ایشیا اور افریقہ کو اپنی لپیٹ میں نہیں لے سکا۔

اگرچہ سرد جنگ کے دور میں نائن الیون کے واقعات بین الاقوامی رجحانات اور نئے سیکورٹی بحرانوں میں تبدیلی کا باعث بنے۔ داعش دہشتگرد گروہ کے عروج نے مشرق وسطی سے لے کر یورپ تک سلامتی کے خدشات کو وسعت دی اور اکیسویں صدی کے پہلے عشرے میں دنیا مالی بحران سے دو چار ہو گئی، لیکن ان بحرانوں میں سے کسی نے عالمی نظم کو اتنا نقصان نہیں پہنچایا۔ لیکن آج کورونا وائرس کے پھیلاؤ نے صحت،

سلامتی، معاشی اور معاشرتی شعبوں میں بین الاقوامی ڈھانچے کو بہت سست بنا دیا ہے اور اس عالمگیر واقعے کے سامنے بین الاقوامی نظام کی کمزوری کو پہلے سے کہیں زیادہ بے نقاب کر دیا ہے۔

ارنا نمائندے نے دس ممتاز پروفیسر زبرائے سیاسیات اور بین الاقوامی تعلقات اور سینئر خارجہ پالیسی تجزیہ کاروں کیساتھ انٹرویو میں ان سے پوچھا ہے کہ کورونا وائرس کا پھیلاؤ کس طرح بین الاقوامی رجحانات پر اثر پڑے گا۔ سینئر تجزیہ کار برائے خارجہ پالیسی کے امور مجید تفرشی کا کہنا ہے:

> "جب ہم کورونا وائرس کے پھیلاؤ کے بین الاقوامی رجحانات پر پڑنے والے اثرات کے بارے میں بات کرتے ہیں تو ہمیں یہ سمجھنا ہو گا کہ اس سے فوری، درمیانے اور طویل مدتی اثرات کے ساتھ ساتھ قومی، علاقائی اور بین الاقوامی جہتیں بھی پائی جاتی ہیں"۔ (۲۴)

کووڈ-۱۹ کے فوری اثرات تو افراد کی صحت، صحت عامہ اور شہریوں کے جانوں کے تحفظ پر توجہ دینی ہے لیکن جب ہم اس فوری اثرات سے گزر جائیں گے تب بھی آئندہ ایک سال میں قدم اٹھائیں گے تو ہم پر معاشی، سماجی، سیاسی اور ثقافتی شعبوں میں اس وبائی مرض کے دیرپا اثرات مرتب ہوں گے۔ وہ مسائل جو شاید اب ہمارے لیے اہم نہ ہوں لیکن کورونا وائرس کی روک تھام کے بعد وہ بے نقاب ہو جائیں گے۔

تفرشی کا کہنا ہے:

> " ایران اور دنیا میں کورونا وائرس کے پھیلاؤ نے حکومتوں کے مقابلے میں لوگوں کے مطالبات کو زیادہ سنجیدہ اور شفاف بنا دیا ہے جس سے بدعنوانی اور دھڑے بندی کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے"۔ (۲۵)

کورونا وائرس سے رونما ہونے والے بحران کے انتظام میں حائل رکاوٹیں اس بات کا باعث بنی ہیں کہ بغیر کسی تعاون، شفافیت اور قومی نگرانی کے بحران کا کنٹرول نہ ہو جائے۔

علاقائی اور بین الاقوامی سطح پر بھی ایسا ہی ہے۔ امریکہ میں، نائن الیون سے پہلے دیئے گئے نعروں جس میں امریکہ کی تقدیر کو دنیا سے منقطع کرنے پر زور دیا گیا اور بعد میں ڈونلڈ ٹرمپ کے "فرسٹ

امریکہ" کے نعرے میں مجسم ہوا، کے برعکس اب امریکہ کورونا وائرس سے متاثرہ سب سے زیادہ تر افراد کے نمبر پر ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ واشنگٹن اپنی قسمت کو عالمی برادری سے الگ نہیں کر سکتا۔

کورونا وائرس نائن الیون سے بہت زیادہ امریکہ اور بین الاقوامی نظام میں تبدیلی کا باعث بنے گا۔ ایک طرف، دنیا اور خاص طور پر بڑی طاقتیں بڑے پیمانے پر فوجی، جنگ اور ایٹمی معاملات میں سرمایہ کاری پر غور کرنے کے بجائے صحت کے انفراسٹرکچر کی تعمیر نو اور نازک معیشتوں کی حالت پر بہت زیادہ توجہ مرکوز کریں گے۔ تفرشی کا کہنا ہے:

> "کورونا وائرس کا یورپیونین پر بھی نمایاں اثر پڑ سکتا ہے اور اب اس یورپی باشندے اپنے مستقبل کے بارے میں بہت زیادہ فکر مند ہیں اور ان کے درمیان یورپیونین کے مستقبل کے بارے میں شدید اختلافات ہیں"۔ (۲۶)

کورونا وائرس اس خطے میں مشترکہ معاشرتی اور معاشی رکاوٹوں کی وجہ سے اتحاد کو مزید متحد کر سکتا ہے اور نازک معیشت والے ملکوں خصوصاً اٹلی اور اسپین سے وسوسے اور شکایات یونین کے دوسرے ممبروں سے سنی جا سکتی ہیں۔ اگر وہ برطانیہ کی طرح یورپیونین سے علیحدہ ہو جاتے تھے تو ان کی پریشانی کم ہوتی اور غریب ممالک کے اخراجات میں انہیں حصہ نہیں لینا پڑتا۔ لیکن یہاں دوسروں کو مدد دینے اور یورپی یونین کے تحفظ کے لئے فرانس اور جرمنی بحیثیت یورپی یونین کے قائدین کا موقف کلیدی کردار ادا کر رہا ہے۔

تہران یونیورسٹی کے پروفیسر برائے روسی علوم جہانگیر کرمی لکھتے ہیں:

> "بین الاقوامی رجحانات پر کورونا وائرس کے اثرات کا جائزہ لینے کے لیے ہمیں کووڈ-۱۹ کے بارے میں حکومت کے رد عمل کے نتائج کا انتظار کرنا ہے۔ اس بیماری کا دائرہ کس حد تک پھیلتا ہے اور مختلف ممالک میں اموات کی شرح کیا ہو گی یہ مستقبل کے بین الاقوامی رجحانات کے نتائج کا ایک پیمانہ ہو سکتا ہے"۔ (۲۷)

انہوں نے کہا ہے ابھی اس وبائی مرض کے پھیلاؤ سے چار مہینے گزر چکے ہیں جس سے رونما ہونے والی صورتحال کی شرح درج ذیل ہے:

پہلا: شہری سلامتی کے خطرات کی بین الاقوامی نوعیت اور ان کے تباہ کن اثرات کو اقوام عالم کی سلامتی اور صحت پر زیادہ توجہ دینا جو قدرتی طور پر بین الاقوامی تعاون کی ضرورت کو بڑھاتا ہے اور قومی اور بین الاقوامی سلامتی میں سویلین رحجانات پر توجہ دیتا ہے۔

دوسرا: عوام کی حفاظت کے لیے حکومت، قومی خود مختاری اور بین الاقوامی سرحدوں کے تصور کو تقویت دیں اور لوگوں کی توجہ اپنی صحت و سلامتی کے تحفظ کے لیے حکومتوں کی اہمیت اور ضرورت کی طرف مبذول کروائیں۔ یقینا اس سے عالمگیریت کے عمل کو نقصان پہنچتا ہے لیکنیہ صورتحال طویل عرصے تک جاری رہے گی یا عالمگیریت کا عمل کچھ عرصے کے بعد بھی جاری رہے گا یا نہیں تو وہ آنے والے مہینوں تک اس بیماری کی حالت سے وابستہ ہے۔

تیسرا: ریاستوں کے کردار اور قوم پرستی کی اہمیت کو تقویت دینے کے ساتھ ساتھ عالمگیریت کے رحجانات میں کمزوری، یقینا مسابقتی جہتوں کے مقابلے میں بین الاقوامی تعاون کو کم کیا جا سکتا ہے اور آنے والے مہینوں کے حالات کے پیش نظر یہ شدت اختیار کر سکتا ہے۔

چوتھا: سیاسی، معاشی اور سلامتی کے شعبوں میں بین الاقوامی نظام کے ڈھانچے اور اصولوں میں تبدیلی لانے کا باعث بن جاتا ہے مثلاً ممالک کے درمیان تعلقات مسابقتی ہونے کے ساتھ ساتھ عالمی معاشی اور تجارتی پیداوار اور تقسیم کے رحجانات میں خود کفیل رحجانات پیدا ہو سکتے ہیں اور اس کے زیادہ دیرپا نتائج برآمد ہوں گے کیونکہ بنیادی طور پر حالیہ صدیوں میں عالمی نظام، پیدوار اور تجارت کے رحجانات سے زیادہ متاثر ہوا ہے۔

پانچواں: بڑی طاقتوں بالخصوص امریکہ اور چین اور دیگر علاقائی طاقتوں کے کردار کی دوبارہ وضاحت ہو جائے گی۔ خاص طور پر اگر موجودہ صحت کے نتائج ویسے ہی رہیں تو امریکہ کے مقابلے میں چین کی بین الاقوامی پوزیشن میں اضافہ ہو گا۔

اقوام متحدہ، جینوا اور نیویارک میں ایرانی سابق سفارت کار کوروش احمدی کا کہنا ہے:

> "کورونا وائرس نے دنیا کے بہت سارے ممالک کو معاشی مشکلات کا شکار کیا ہے مارچ کے آخری دنوں کے دوران امریکہ ۳.۳ ملین افراد بے روزگار ہو گئے ہیں اور یہ دراصل تمام ممالک میں رونما ہونے والے معاشی بحران کی ایک مثال ہے"۔ (۲۸)

۲۰۲۰ء اور ۲۰۲۱ء میں براوراست غیر ملکی سرمایہ کاری جو بہت سارے ترقی پذیر ممالک کی معیشت ان سے وابستہ ہے، میں پانچ سے پندرہ فیصد کمی ہو گی اس کے علاوہ پانچ ہزار بڑی بین الاقوامی کمپنیوں نے اپنی آمدنی میں ۹ فیصد کی کمی کا اندازہ لگایا ہے اور اس بات کی بناپر ۲۰۲۰ء کی منصوبہ بندیوں پر نظر ثانی کی ہے۔

کوڈ ۱۹ کی بیماری اور اس کے پوری دنیا میں تیزی سے پھیل جانے سے یہ ثابت ہوا ہے کہ عالمگیریت چاہے ہم اس سے متفق ہوں یا متفق نہ ہوں ایک ناقابل تردید حقیقت ہے۔ لیکن عالمی قیادت کو بڑی خامیوں کا سامنا ہے۔ اقوام متحدہ کی نظام میں خامیوں، سلامتی کونسل میں ڈیڈلاک، عالمی ادارہ صحت کی کمزوری اور بین الاقوامی مالیاتی فنڈ میں پالیسی کا شکار ہونے کو سدھارنے کی بہت ضرورت ہے۔ یہ بیماری کچھ عرصے کے لیے پاپولزم کے خاتمہ کا باعث ہو گی کیونکہ اس نے ایک بار پھر دنیا کے سامنے ماہرین کی قدر کو بے نقاب کر دیا ہے۔

نیویارک میں واقع اقوام متحدہ کے دفتر برائے ایران کے ترجمان سید علی رضا میر یوسفی نے کہا:

> "ابھی کورونا وائرس بحران کے خاتمے کے بعد نظام دنیا پر مرتب ہونے والے اثرات سے متعلق بات نہیں کر سکتے کیونکہ ابھی ہم بحران کے بیچ میں ہیں اور صورتحال میں شدت سے تبدیلی رونما ہو رہی ہے اور ہم ایک انتہائی غیر مستحکم صورتحال میں ہیں"۔ (۲۹)

تاہم اگر ہم یہ فرض کر لیں کہ یہ عالمی بحران اگلے چند مہینوں میں کنٹرول ہو جائے گا اور اس کے معاشی انجام پر توجہ مرکوز کریں گے تو ہم بحرانی دور کے بعد کے بارے میں قیاس آرائیاں کر سکتے ہیں۔ اس

حوالے سے اکثر لکھے گئے آرٹیکلز میں بحران کے بعد قوم پرستی کو مضبوط بنانا، لبرل ازم کو کمزور کرنا، امریکی طاقت کے زوال کو تیز کرنا، نئی عالمی پولورائزیشن اور چین کی پوزیشن کو مزید بڑھانا، دیوالیہ حکومتوں کی تعداد میں اضافہ، تیل اور توانائی کی کم قیمتوں میں اضافہ اور تیل پیدا کرنے والے ممالک کے بڑے نقصانات اور ریموٹ لیبر مارکیٹ اور آن لائن خریداریوں کو مضبوط بنانے پر زور دیا گیا ہے۔ بین الاقوامی سیاسی نظام پر کورونا بحران کے اثرات واضح ہونے میں کچھ وقت لگے گا۔ ان کے اثرات کی نوعیت کا انحصار اس وقت ممالک کے طرز عمل پر ہے۔ اگر ممالک خود غرض برتاؤ کرتے ہیں تو خامیوں میں یقینا مزید وسعت آئے گی۔ ابھی تک دوسرے یورپی ممالک کی جانب سے اٹلی اور اسپین کے لیے خاطر خواہ امداد کی کمی نے یورپی یونین کو کسی حد تک کمزور کر دیا ہے۔ اگر ممالک اپنے اتحادیوں پر اعتماد کرنے میں ناکام رہے تو یورپی یونین کی بنیادی منطق کا خاتمہ ہو گا اور یقینی عالمگیریت میں کمی ہو گی اور قوم پرست جذبہ میں اضافہ ہو گا۔

کورونا وائرس جیسی وبائی مرض کے نتائج کثیر الجہتی ہیں۔ معاشی طور پر ۲۱ ویں صدی کی سب سے مہلک وبا ۲۰۱۳ء تا ۲۰۱۶، مغربی افریقہ میں پھیلنے والے ایبولا وائرس سے (۱۱۳۰۰) افراد ہلاک ہو گئے تھے اور اس طرح یہ رواں صدی کی اب تک کی سب سے مہلک وبا ہے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اس وائرس نے زندگی کا پہیہ عالمی سطح پر مفلوج کر دیا ہے۔ لیکن ہمارا صبر، احتیاط اور حفظان صحت کے اصولوں پر سختی سے پابندی ہمیں بہت جلد اس وائرس پر قابو پانے میں ممد و معاون ہو گی۔ جس طرح ہم نے ماضی کی تباہ کن وباؤں پر قابو پا کر زندگی کے پہیے کو رواں کیا ہے۔ اس طرح یہ وبائی موسم بھی ضرور نوید بہار کا پیامبر ہو گا۔ بس تھوڑا سا انتظار۔۔۔۔ اس وبا کے موسم نے "درد کی دہلیز پر" جس نفسیاتی اور ذہنی کشمکش اور ہیجان انگیز اضطراب میں مقید رکھا وہ کسی قرنطینہ سے کم نہیں۔ لیکن یہ قرنطینہ ہمارے حوصلوں کو پست نہیں کر سکتا۔

کوروناوائرس اور ہمارارویہ:

۳۱ دسمبر ۲۰۱۹ کو چین کے شہر ووہان سے کورونانامی ایک وائرس پھوٹا جس نے علاقائی وعالمی سطح پر خوف وہراس پھیلا دیا۔ یہ وائرس ایک محدود جگہ سے نکلا اور دیکھتے ہی دیکھتے پوری دنیا کو ایسی لپیٹ میں لیا کہ اب ہر طرف لفظ کورونا ہی کی گونج سنائی دیتی ہے۔ عام شہری سے لے کر اعلیٰ عہدے یا سیاسی قیادت سے صحافی کی بات کی جائے اب تک یہ بات سمجھنے کی کوشش کی جارہی ہے کہ اس وائرس کے لیے کیا اقدامات کیے جاسکتے ہیں۔ کورونا کے ابتدائی دنوں میں اس سے نپٹنے کے لیے کافی زیادہ جگہوں پر معلوماتی نوعیت کے مباحثے ہوئے۔ جب تک وائرس چین میں رہا سوشل میڈیا پہ زور و شور سے چمگاڈر اور چینیوں کو اس کا ذمہ دار ٹھہرایا جاتا رہا ہے۔ گو کہ جانوروں میں اس وائرس کی موجودگی مصدقہ ہے۔ لیکن بجائے الزام کے اس وقت دعا اور باقاعدہ لائحہ عمل کی اشد ضرورت ہے۔ اس کے مناسب حل کی بجائے کچھ دیر بعد یہ خبر ہر طرف گردش کرنے لگی کہ یہ چین کی طرف سے نیوکلیئر سازش ہے۔ اور اسی طرح چین نے امریکہ پہ الزام لگایا کہ یہ وائرس ان کی طرف سے پھیلایا گیا ہے۔ الغرض چین اور امریکہ اس وقت تک ایک دوسرے پہ الزام تراشتے رہے جب تک وائرس امریکہ نہ پہنچ گیا۔

چین سے نکلے اس وائرس نے آہستہ آہستہ اپنے دائرے میں اس قدر اضافہ کرنا شروع کیا کہ ایک شہر سے نکل کر پوری دنیا میں پھیل گیا اور عوام الناس کو ہر طرح کی پریشانی خواہ وہ معاشی ہو یا جسمانی میں مبتلا کر دیا۔ البتہ چینی قوم نے اپنی مستعدی اور دور اندیشی کے ذریعے اس وائرس کے پھیلتے ہی حفاظتی اقدامات اختیار کرنے پہ زیادہ سے زیادہ زور دیا اور کافی حد تک اس وائرس کو اپنی سطح پر قابو کر لیا۔ جس کے برعکس پاکستان کی طرح کئ اور ممالک نے سنجیدگی سے کام نہیں لیا اور اب حالت دگرگوں ہو چکی ہے اور جس کے نتائج یہ ہیں کہ ہر طرف ایک خوف وہراس کا عالم ہے۔ کوروناوائرس کے پھیلتے ہی ہمارے لیے یہ ہدایات جاری کی جانے لگیں کہ احتیاط کے ساتھ ساتھ باقاعدہ ہر ملک اپنے طور پہ بھی حفاظتی اقدامات و انتظامات کرتا رہے چوں کہ یہ وائرس چھونے سے پھیلتا ہے۔ لیکن بعض ممالک نے اسے محض چین کا مسئلہ سمجھ کر نظر انداز کر دیا۔ اٹلی,

امریکہ اور اسپین وغیرہ وہ ممالک ہیں جنہوں نے ترقی یافتہ ہونے کے ساتھ ساتھ ایڈوانس ٹیکنالوجی رکھنے کے باوجود بھی اس وبا کو سنجیدہ نہیں لیا اور نتیجہ یہ نکلا کہ چین سے بھی کئ گنا زیادہ ہلاکتیں انہی ممالک میں نظر آئیں۔ مگر اچھا پہلو یہ ہے کہ جب اپنی غلطی کا احساس ہوا تو زور و شور سے احتیاطی تدابیر اختیار کروائی جا رہی ہیں اور قوم اپنی حکومت کے ساتھ بھرپور تعاون کر رہی ہے۔ وہاں کی عوام نے اپنی حکومتوں کے احکامات کو گویا حرفِ آخر سمجھتے ہوئے اپنا فرض سمجھا اور اس پر عمل پیرا ہوئے۔ موت برحق ہے لیکن اپنی حفاظت کے لیے جو اقدامات بھی کیے جاسکتے ہیں بھرپور طریقے سے اپنائے جا رہے ہیں۔ اس وبا کو قابو میں رکھنے کے لیے احتیاط بے حد اہم ہے جیسا کہ ایک دوسرے کو چھونے سے گریز کرنا, چند میٹر کے فاصلے پر کھڑے ہو کر ایک دوسرے سے بات چیت کرنا, وقفہ وقفہ سے ہاتھوں کا دھونا وغیرہ وغیرہ۔ وہ ممالک جنہوں نے اس وائرس پر قابو پایا ہے ان کے پسِ پُشت یہی احتیاطی تدابیر والا لائحہ عمل کارفرما ہے۔

ہمارا ملک پاکستان اس وبائی مرض سے بچا نہیں ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا جتنا شکر ادا کیا جائے اُتنا ہی کم ہے کہ وائرس کے ملک میں داخل ہونے سے پہلے وبا کے بارے میں احتیاطی تدابیر اور احتیاط نہ کرنے والوں کے نقصانات ہماری آنکھوں کے سامنے تھے۔ ملک میں کورونا کی پہلی لہر کے دوران میں شدید ہیجانی کیفیت پیدا ہوئی, لوگوں نے احتیاطی تدابیر پر بھی عمل کرنا شروع کیا۔ چوں کہ وبائی امراض کا شمار ایسی امراض میں ہوتا ہے جن کے دیرپا اثرات رہتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ جب اس وائرس کا باقاعدہ زور نہیں ٹوٹ رہا تھا تو ہماری عوام زیادہ غیر سنجیدہ ہونے لگی۔ حکومتی سطح کی بات کی جائے تو یہ قابلِ ستائش ہے کہ محض دو چار کیسز سامنے آنے کے بعد خطرے کے پیشِ نظر تمام تعلیمی ادارے, غیر ضروری نقل و حرکت, تفریحی مقامات غرض جملہ ہائے اداروں کو بند کر دیا گیا جو اس وبا کو پھیلانے کے محرک بن سکتے تھے۔ حکومت نے اپنے تئیں ہر وہ اقدام اٹھائے جو قوم کے لیے کارآمد ثابت ہو سکتے تھے۔ لیکن حکومت تو اقدامات کر ہی رہی ہے یہاں عوام ایسی بگڑی ہوئی ہے کہ اقدامات کے باوجود وائرس لگاتار پھیلتا جا رہا ہے۔ اس کی تمام تر ذمہ داری عوام کے سر اس لیے جاتی ہے کہ تدبیر کی بجائے دوسروں کے لیے مصیبت کا باعث بنا جا رہا ہے اور توکل اللہ پہ ہے۔ حالاں

کہ اسلام جو کہ انتہائی خوب صورت اور وسیع و کامل مذہب ہے۔ ایسے احکامات سے بھرپور ہے جہاں تدبیر کرنے والوں کے ساتھ اللہ کی مدد رہی ہے۔ لیکن یہاں عمل اس کے برعکس ہے۔ اپنے پیارے نبی کریم ص کی ہدایت کو اپنایا جائے تو شاید کافی حد تک اس بیماری سے محفوظ رہا جا سکتا ہے۔ کیوں کہ اللہ ربّ العزّت کی جانب سے یہ آزمائش ضرور ہے اور اگر نبی کریم ص نے پرہیز کو علاج سے بہتر قرار دیا ہے تو یقیناً اس میں ہمارے لیے بہتری ہے۔

ہماری قوم کورونا کو لے کر انتہائی غیر سنجیدہ نظر آ رہی ہے جس کی وجہ سے نقصان کا زیادہ سے زیادہ خطرہ ہے۔ ہماری قوم سے بارہا یہ درخواست کرنے کے باوجود کہ اپنے آپ کو چند روز تک محدود کر دیں لیکن وہ پہلے سے بھی زیادہ جوش و جذبے کے ساتھ اس کے برعکس عمل کرتے ہیں۔ آئے روز دنیا میں ہلاکتوں کی خبریں موصول ہوتی ہیں۔ اس کے باوجود ہماری قوم گھومنے پھرنے سے باز نہیں آئی۔ ڈھٹائی کا یہ عالم ہے کہ بھاگتے دوڑتے گر کے وفات پا جاتے ہیں۔ کبھی کسی ہسپتال میں مریض کو باندھ کے رکھا جاتا ہے۔ اور اب تو یہ صورتِ حال ہے کہ سفر کرنے والے یا متاثرہ شخص اپنے آپ کو اس طرح چھپا رہے ہیں گویا ان پہ کوئی سنگین جرم ثابت ہو جائے گا۔ اس فلسفے کی سمجھ نہ آ سکی کہ اِک طرف اگر تم اللہ کا امر سمجھتے ہوئے گھومتے پھرتے ہو تو دوسری جانب اللہ کی مرضی سمجھتے ہوئے خود کو سامنے کیوں نہیں لاتے۔ اس تمام صورتِ حال میں متاثرہ شخص کا اپنے آپ کو چھپانے کی وجہ شاید کم علمی ہے یا یہاں بھی کچھ لوگوں کا پروپیگنڈا ہے جو وائرس کا خوف و ہراس اس قدر پھیلا رہے ہیں کہ سادہ لوح عوام اس بیماری کو یا ہر اُس فرد کو جو اس کا شکار ہے حقیر سمجھنا شروع ہو گئے ہیں۔ اس فکر کو تبدیل کرنے میں حکومت کو یقیناً کچھ ایسے اقدامات کرنے ہوں گے جو عوام میں حوصلہ اور طاقت پیدا کرنے کا باعث بن سکیں۔ اس کے ساتھ ساتھ معاشرے کے اس پڑھے لکھے اور سمجھدار طبقے کا کردار بھی بہت اہم ہو گا جو خود تو سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں لیکن ان کے ارد گرد کے لوگ کورونا وائرس کا خوف دل و دماغ پہ حاوی کر کے دبکے بیٹھے ہیں, انہیں چاہیے کہ وہ ان لوگوں تک آگاہی پہنچائیں کہ ہمیں وائرس سے ڈرنا نہیں بلکہ لڑنا ہے اور اس کا حل صرف اور صرف احتیاط میں پوشیدہ ہے۔ اب رہی بات گھر سے

نکلنے کی تو شروع میں قوم کے کچھ غیر سنجیدہ لوگوں نے مذاق اڑاتے ہوئے سیر و تفریح تو شروع کر دی جو کہ بدستور جاری بھی ہے۔ راشن کی فری تقسیم نے ایسے لوگوں کو مزید پاگل کر دیا اور کچھ وہ لوگ جو عام حالت میں سوٹ بوٹ پہنے نوکری کے لیے نکلتے تھے اب کچھ یوں حرکات کے مرتکب ہو رہے ہیں گویا دیہاڑی دار سے بھی زیادہ بھوکے یہ لوگ ہیں۔ بحیثیتِ قوم پاکستان کی جانب سے کورونا وائرس کا تمسخر اڑانے میں ہم نے کوئی کسر باقی روا نہ رکھی ہے۔

غرض ہم پاکستانی قوم ہر حوالے سے پسماندہ قوم ہیں۔ یہاں نہ صرف غربت ہے بلکہ جہالت کی بھی انتہا ہے۔ یہاں لوگ یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ ہمارے ملک کی کیا صورتِ حال ہے۔ ہم کتنے محدود وسائل رکھنے والی قوم ہیں جہاں عموماً بعض علاقوں میں تعلیم کی کمی تو ہے ہی لیکن خصوصی طور پہ لوگ صحت اور روٹی کے مسائل میں جکڑے ہوئے ہیں۔ ہمارا ملک وقت کی رفتار کے ساتھ دوڑ نہیں رہا بلکہ چل رہا ہے۔ اب بے شمار محدود وسائل کے ساتھ کس طرح ہم نے اپنا اور اپنی قوم کا دفاع کرنا ہے یہ ہمیں خود طے کرنا ہو گا بلکہ معاشرے میں رہنے والے ہر فرد کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اپنے حالات پہ غور و فکر کر کے بہتر قدم اٹھائے جو اس کے ملک کے لیے بہتر ثابت ہوں۔ لیکن یہاں بے حسی کا یہ حال ہے کہ آج قوم کے سامنے ہاتھ جوڑ کر درخواست کی جاتی ہے کہ خود کو انتہا کا کاہل بنالو۔ نوکری کے دوران آنکھ بچا کے وقت کی پابندی نہ کرنے والو, گھریلو تقریبات کی آڑ میں کام سے بھاگنے والو کچھ عرصہ کے لیے بند رہیں لیکن اس پہ بھی عمل نیست۔

ہم ایسی بگڑی ہوئی یا جاہل قوم ہیں کہ سب سے پہلے بیماری کا مذاق بنایا۔ جتنا ہو سکا ہر فرد نے اپنی پوری کوشش کی کہ اس وبا کو کیسے مذاق کی صورت میں پیش کیا جائے۔ جب اس میں کافی حد تک کامیابی ہوئی تو حکومتی اقدامات کی خلاف ورزی کرنے میں بھی پیش پیش رہے۔ تفریحی مقامات, ہوٹل اور دیگر تمام ہجوم والی جگہوں پر بدستور لوگوں کا تانا باندھا ہوا ہے۔ افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ ہم پاکستانی قوم جہاں ایک طرف ایثار کا پیکر بنے ہوئے ہیں وہیں دوسری جانب پولیس کے ڈنڈے ہمارے لیے ضروری ہو گئے ہیں جس کے بعد ہی ہم گھر میں خود کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آخر کیوں اس بات کو نہیں سمجھ پا رہے کہ

ہماری احتیاط نہ صرف ہمارے اپنوں کے لیے بلکہ کئ اور لوگوں کے بچاؤ کا سبب بھی بن سکتی ہے۔ اسلام کے نام پر بڑے بڑے دعوے کرنے والے اپنے طور پہ اس بات کو سوچیں کہ دین اسلام میں ایسی صورتِ حال کے لیے کیا کیا احکامات ہیں۔ ماڈرن اور خود کو چالاک سمجھنے والے احساس سے کیوں عاری ہیں۔ اپنے آپ کو مہذب اور تہذیب یافتہ سمجھنے والوں کو بچانے کے لیے کیوں اہلکاروں کی ضرورت ہے۔ ہر بار ناگہانی آفات کے بعد عوامی سطح سے حکومتی کارروائیوں پر نکتہ چینی یا جملے کسے جاتے ہیں لیکن اب کی بار اس سے بڑھ کر ہمارے لیے کیا سہولت ہو گی کہ گھر بیٹھے ہمیں تمام دستیاب سہولیات فراہم کی جاتی ہیں۔

وائرس کے خاتمے کے بعد دنیا دوسری اقوام کی طرح تمہیں بھی سراہے کہ کیسے تم نے مشکل حالات کا مقابلہ کیا ہے۔ اور اپنے ساتھ ان لوگوں کے نام مت خراب کرو جو سرکار کے ہر احکام کو من و عن تسلیم کر رہے ہیں۔ خدارا ان اقوام سے سبق حاصل کرو جو مذاق کے موڈ میں ہزاروں لوگوں کو کھو چکے ہیں اور مسلسل کھو رہے ہیں۔ یہ وائرس تمہارے لیے ایک آزمائش ہے اس آزمائش میں صبر اور حکمتِ عملی سے کام لیتے ہوئے خدا کو یاد کرو نہ کہ بے احتیاطی برتتے ہوئے دوسروں کے لیے وبالِ جان بنو۔ پھر بھی اگر نرمی راس نہ آئے تو خود کو سامنے لاؤ تاکہ تمہارے چہرے ان لوگوں کے لیے نشانِ عبرت بنیں جو ابھی تک وائرس کی شدت سے بے خبر ہیں اور خود کو شاید بہادری یا بے پرواہی کا تمغہ دلانا چاہتے ہیں۔ لیکن وہ اس بات سے بے خبر ہیں کہ وہ اپنے ساتھ ساتھ اپنے پیاروں کا بھی نقصان کر رہے ہیں۔ "فرد قائم ربط ملت سے تنہا کچھ نہیں" اگر ہر شخص انفرادی و اجتماعی طور پر ملک کے حالات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے تمام تر ممکنہ حد تک احتیاطی تدابیر اختیار کے تو ہمارے ملک سے یہ وبا بہت جلد ختم ہو جائے گی اور وہ لوگ جنہیں اپنے حالات سے کورونا کی وبا پھوٹنے اور پاکستان میں داخل ہونے کے بعد سے شکوہ ہے، بہت جلد اپنی نارمل سطح پر آجائیں گے۔

انفرادی شخصیت پر اثرات:

کورونا وائرس نے انسان کو انسان سے اس طرح ایک دوسرے دور کیا جس طرح آندھی پرندوں کو ایک دوسرے سے الگ الگ کر دیتی ہے۔ یہاں تک کہ ماں اپنے بیٹے سے دور ہو گئی بہن بھائی کی شکل دیکھنے کے

لیے ترس گئی۔ باپ اپنے اکلوتے بیٹے کو خیالی طور پر قرنطینہ میں تنہا پڑا دیکھ کر آنسو بہا رہا تھا۔ یہاں تک کہ اس کورونا جیسی بے رحم وبا نے ایک نئی نویلی دلہن کو اپنے جیون ساتھی سے دور رہنے پر مجبور کر دیا۔

اب انسان ہر وقت یہ سوچ سوچ کر خود کو نفسیاتی طور پر سزا دے رہا ہے کہ آخر کار ہم کب تک اپنوں سے دور رہیں گے۔ لیکن افسوس صد افسوس کہ انسان بھی کیا چیز ہے جب کورونا کے چند مریض تھے تو پوری پوری رات اپنے گھروں کی چھتوں پر آذانیں کہا کرتے اور جب یہی تعداد ہزاروں میں ہو گئی اور آس پاس تک کی خبریں سامنے آنے لگیں کہ آج فلاں شخص ہسپتال میں کورونا کی نظر ہو گیا ہے اور اس کی میت تک اس کے ورثا کو نہیں دی گئی۔ یہ ساری خبریں سننے کے باوجود غفلت کا مارا ہوا انسان کہنے لگا کہ جو رات قبر میں ہے وہ باہر نہیں آ سکتی ہم سے نہ تو ماسک لگایا جائے گا اور نہ ہی اپنوں سے دور رہا جائے گا۔ آخر کار ابتدائی طور پہ تھوڑی بہت احتیاط کرنے اور اپنے گھروں کی چھتوں پر اذانیں دینے والا خوف زدہ انسان اس قدر بے باک ہو گیا کہ ویکسین لگوانے سے بھی مکر گیا۔

ج: خوف اور انسانی نفسیات:

نفسیات جس کا میدان عمل انسانی دماغ ہے، سب سے نئے علوم میں سے ایک ہے۔ نفسیات کی ترقی سے پہلے دماغ سے متعلق کوئی علم نہ تھا۔ لیکن اس کے عمل کا علم ایک محض وجدانی معاملہ تھا۔ اس کا انحصار سائنس کے ذریعے حاصل کردہ معلومات پر نہیں تھا۔ مثلاً افلاطون کا کہنا ہے:

> "ہماری فطرت میں ایک وحشی جانور کی عمل داری ہے جو گوشت اور شراب سے سیر ہے اور جو ہمارے سو جانے پر جاگتا ہے اور ادھر ادھر ننگے گھومتا ہے۔ اپنی مرضی کے مطابق سیری حاصل کرتا ہے اور کوئی بھی قابل تصور حماقت، گناہ اور جرم نہیں جو محرمات کے ساتھ مباشرت اور بدر کشی بھی جس کا وہ مرتکب نہ ہو سکے۔۔۔ ہم سب لوگوں میں یہاں تک کہ نیک لوگوں میں بھی ایک ایک وحشی جانور پوشیدہ ہے جو نیند میں سر اٹھا کر جھانکتا ہے"۔(۳۰)

نفسیات کے ظہور سے پہلے فن اور فن کار کے متعلق غور و فکر ہو تا تھا، لیکنیہ غور و فکر سائنٹیفک نقطہ نظر سے نہیں ہو تا تھا۔ لیکن غیر سائنٹیفک کے معنی لازماً غیر تنقیدی نہیں سمجھ لینا چاہیے، با قاعدہ تفتیش کی کوئی کوشش نہیں کی گئی اور جو کچھ بھی چھان بین کی گئی اس تفتیش کی روشنی میں کی گئی۔

ماہر نفسیات کو جو کچھ فطری معلوم ہوا وہ ادبی نقاد کو بالکل فطری نہ معلوم ہوا۔ ماہر نفسیات نے سوچا کہ وہ صرف اپنے فرض کی ادائیگی کر رہا ہے اور بیک وقت یہ بھی سوچا کہ نفسیات سے ادبی نقاد کو بے انتہا مدد ملے گی۔ نفسیات کا تعلق دماغی سرگرمیوں کے عمل سے ہے جس کا ماحصل ادبی تنقید ہے اس عمل تک پہنچنے کے لیے ماہر نفسیات ماحصل کی صرف تشریح کرتا ہے۔ یہ دعوی کیا جاتا ہے کہ تحلیل نفسی ان عوامل کو آشکار کر سکتی ہے جو ایک انسان کو فنی اعتبار سے موجود بناتے ہیں۔

علم نفسیات اور سگمنڈ فرائڈ:

سگمنڈ فرائڈ پیشے کے لحاظ سے ماہر تحلیل نفسی، عصبیات دان، مضمون نگار، فلسفی، ماہر نفسیات اور نفسیاتی معالج تھا۔ ہر مفکر کی طرح اس کی بھی بہت سی باتیں غلط ہیں، اختلاف بھی ہو تا رہا ہے لیکن اس کے خیالات آج بھی انسانی ذہنوں پر مسلط ہونے کی طاقت رکھتے ہیں کیونکہ وہ بنیادی طور سے ذہن کا کھوجی تھا۔ اس نے انسانی ذہن کی ایک پوری نئی دنیا دریافت کر لی تھی۔

فرائڈ کا میلان طبع دور بین ہو تا ہے اور اسے اعصابی حریص ہونے میں بہت زیادہ دیر نہیں لگی۔ اعصابی حریص کا مریض وہ شخص ہو تا ہے جو جبلی ضرورتوں سے متاثر ہو تا ہے اور یہ بہت زیادہ ہنگامہ خیز ہوتی ہے۔ وہ عزت، طاقت، دولت، شہرت اور عورت کی محبت حاصل کرنے کی تمنا رکھتا ہے لیکن اس تسکین کو حاصل کرنے کے ذرائع اس کے پاس نہیں ہوتے۔ فرائڈ نے لاشعور کے بارے میں بتایا، اس نے زبان بھکنے اور دماغی بیماری میں تعلق کی اطلاع دی۔ اس نے بتایا کہ بچپن کے تجربات کسی کے کردار کی تشکیل کرتے ہیں۔

فرائڈ کے نظریات و افکار ثقافت اور ادب کا حصہ ابتدا ہی میں بن گئے تھے۔ آج بھی گفتگو میں اس کا حوالہ عمومی طور پر دیا جاتا ہے، بہت سے ممالک میں اسے سائنسدان سے زیادہ ادبی شخصیت سمجھا جاتا ہے۔ اس کے جنس سے متعلق نظریات مشرق ہی نہیں مغرب میں بھی کڑی تنقید کا نشانہ بنے مثلاً اس کا یہ خیال کہ کمسن بچے بھی جنسی فینٹسی کی زندگی گزارتے ہیں۔

عورتیں بھی اس کی بڑی مخالف ہیں کیونکہ ان کا یہ خیال کہ عورتیں نامکمل مرد ہوتی ہیں، غلط ثابت ہوا ہے۔ فرائڈ بہت سی باتوں میں غلط تو ہے لیکن نہایت دلچسپ انداز سے غلط ہے، اس نے چیزوں کو بالکل نئے انداز سے دیکھنے کا طریقہ دریافت کیا ہے اور نئے گہرے معنی و مفاہیم دریافت کیے ہیں۔۔ نفسیات کی دنیا کی سب سے انقلابی شخصیت سگمنڈ فرائڈ(Sigmund Freud)* عورتوں کے متعلق کہتے ہیں:

> ..."the great question that has never been answered, and which I have not yet been able to answer, despite my thirty years of research into the feminine soul, is 'What does a woman want"?
>
> ترجمہ: "وہ عظیم سوال جس کا آج تک جواب نہ دیا گیا اور باوجود زنانہ فطرت تیس سال تک کی تحقیق کے بعد بھی مَیں جس کا جواب نہ دے سکا، وہ یہ ہے کہ "عورت آخر چاہتی کیا ہے "؟"۔(۳۱)

سگمنڈ فرائڈ نے ایک میڈیکل ڈاکٹر کی حیثیت سے تعلیم حاصل کی۔ ۱۸۷۶ء میں وہ جب (۲۰) سال کے تھے اس وقت وہ اپنا پہلا طبی مقالہ لکھنے کے لیے ریسرچ میں مصروف تھے، انہوں نے بعد میں انسانی دماغ کی ہیت جاننے پر کام شروع کیا، یہ وہ زمانہ تھا جب اسکیٹنگ کی سہولتیں نہیں تھیں، ڈی این اے دریافت نہیں ہوا تھا۔ بائیولوجی ترک کر کے سائیکولوجی اختیار کرنے تک وہ نیوروسائنٹسٹ کی حیثیت سے دماغ کے بارے میں کافی کچھ جان چکے تھے، وہ یہ بتا رہے تھے کہ دماغ کے مختلف حصوں میں کنکشن کس طرح ہوتے ہیں اور کس طرح مربوط ہو کر کام کرتا ہے لیکن اس دور کی سائنس سے یہ سمجھنا اور سمجھانا ممکن نہیں تھا۔

سگمنڈ فرائڈ نے یہ کام چھوڑ دیا جو اس کی موت کے بعد شائع ہوا۔ فرائڈ نے یہ بتانے کی کوشش کی تھی کہ نیورونز کے رابطے میں ترمیم کی جاسکتی ہے۔ جدید دور کے نیوروسائنسدانوں نے کام وہاں سے شروع کیا جہاں سے فرائڈ نے چھوڑا تھا۔

فرائڈ کے کام کو سمجھنے کی کوشش ابھی جاری ہے، نوبل انعام یافتہ سائیکاٹرسٹ ڈاکٹر ایرک کینڈیل نے ابتداسائیکوانالسٹ کی حیثیت سے کی تھی، وہ نیوروسائنس اور سائیکوانالسز کے درمیان خلیج پانے کے لیے کام کرتے رہے۔ ان کا کہنا ہے:

> "فرائڈ ایک جینیئس اور نہایت پر مغز و پر فکر آدمی تھا، اس کی بصیرت اور تخیل کا کوئی ثانی نہیں اگرچہ اس کے بہت سے نظریات غلط ثابت ہوئے لیکن اس نے ہمیں دماغی پیچیدگیوں کی عمدہ تصویر بنا کر دکھادی"۔ (۳۲)

فرائڈ بیسویں صدی کے عظیم مفکرین میں شامل ہے، اس نے یہ انکشاف بھی کیا کہ ہم جو بہت کچھ کرتے ہیں، وہ لاشعوری طور پر ہوتا ہے، یہ بھی اس نے بتایا کہ خوابوں کے نفسیاتی مطالب ہوتے ہیں اور یہ کہ شیر خوار بچہ بھی سوچنے سمجھنے والا فرد ہوتا ہے، اسے بھی خوشگوار اور ناخوشگوار تجربات ہوتے ہیں۔ فرائڈ نے ہمیں بتایا کہ کسی مریض کی گفتگو کو اگر توجہ سے سنا جائے تو اس بارے میں بہت علم ہو جاتا ہے کہ اس کا تحت الشعور کیا بتارہاہے اور یہ سب انقلابی باتیں ہیں۔

د: تھاناٹو فوبیا:

کوئی بھی خوف، اگر دور نہیں ہوتا ہے اور دائمی ہو جاتا ہے تو فوبیا میں پھیل سکتا ہے۔ جو پہلے ہی ایک اصل مسئلہ ہے، اور صرف ماہر نفسیات (یا عام طور پر ماہر نفسیات ہی اس سے نمٹنے میں مدد کریں گے)۔ فوبیا کچھ چیزوں یا حالات کے خوف سے بے قابو حالت ہے۔ مثال کے طور پر، منسلک جگہ کا خوف کلاسٹر وفوبک ہے، اور بیرونی ہر چیز کا خوف زینو فوبیا ہے۔ بہت سے فوبیاز ہیں، ان میں سے کچھ پرورش کی وجہ سے متاثر ہیں، دوسرے حالات کے امتزاج کی وجہ سے خود ہی پیدا ہوتے ہیں۔

تشویشی امراض(Anxiety Disorders):

تشویش سے مراد ہے خوف اور بے چینی کا ناگوار احساس، عموماً لفظ تشویش کو پریشانی کے معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ تشویش ایک مرض بھی ہے اور ذہنی امراض کی نمایاں علامت بھی۔ وہ ذہنی امراض جن میں تشویش کی شدت نمایاں ہوتی ہے۔ DSM - IV میں الگ درجہ بندی میں رکھا گیا ہے اور تشویشی امراض کا نام دیا گیا ہے۔

تشویش اگر چہ نارمل افراد میں بھی پائی جاتی ہے کیونکہ نارمل افراد بھی اکثر و بیشتر پریشانی اور گھبراہٹ کا مظاہرہ کرتے ہیں، بے چینی اور خوف کا شکار ہوتے ہیں لیکن ان کی تشویش مریضانہ نہیں ہوتی۔ اس کی پہلی وجہ تو یہ ہے کہ نارمل افراد کی تشویش، پریشانی یا گھبراہٹ کی ٹھوس اور واضح وجہ موجود ہوتی ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کی تشویش کا دورانیہ مختصر ہوتا ہے۔

تشویشی امراض میں اس کا دورانیہ اور شدت مختلف ہوتی ہے۔ ان امراض میں واضح تشویش کے علاوہ عضویاتی علامات بھی موجود ہوتی ہیں۔ ان عضویاتی علامات کی شدت مختلف ہوتی ہے مثلاً پسینہ آنا، دل کر دھڑکن کا تیز ہونا، ٹانگیں کانپنا، سر چکرانا، سانس رکنا، نبض کا تیز ہونا اور معدے کی کارکردگی کا متاثر ہونا وغیرہ۔ تشویشی امراض کی درج ذیل اقسام ہیں:

- بے جا خوف(Phobia)
- ہراسانی کا مرض(Panic Disorder)
- عمومی تشویش(Generalized Anxiety)
- خیالات کا تسلط اور جبری افعال کا مرض Obsessive Compulsive Disorder
- فشار بعد از صدمہ Post Traumatic Stress Disorder
- فوری فشار Acute Stress Disorder

بے جا خوف (Phobia):

فوبیا کا لفظ یونانی دیوتا "Phobia" سے ماخوذ ہے۔ یہ دیوتا بھی اپنے دشمنوں کو خوف زدہ کیا کرتا تھا۔ اب مریضانہ خوف کے لیے فوبیا کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ کسی شے یا واقع کے بارے میں بے معنی اور بلاوجہ کا خوف فوبیا کہلاتا ہے۔ اس مرض میں فرد معمولی اور بے ضرر چیزوں سے خوف کھاتا ہے۔ ایسی صورت حال سے بچنا جن سے بظاہر کوئی خطرہ نہیں ہوتا، اگرچہ فرد خود بھی اپنے خوف کو بے بنیاد سمجھتا ہے۔ لیکن اپنے خوف سے چھٹکارہ نہیں پا سکتا۔ فرد سانپ، مکڑی، کاکروچ، چھپکلی کے علاوہ تنہائی یا اندھیرے سے بھی خوفزدہ رہتا ہے، کچھ لوگ پہاڑ، آبشار، پل، سرنگ یا ڈیم وغیرہ سے بھی خوفزدہ رہتے ہیں۔

فوبیا کی وجہ سے فرد کے سماجی تعلقات کے ساتھ ساتھ پیشہ ورانہ تعلقات بھی متاثر ہوتے ہیں۔ فرد کو بہت زیادہ بے یقینی اور عدم اطمینان کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے۔

BSM - IV میں فوبیا کو درج ذیل اقسام میں بھی کیا گیا ہے:

الف۔ مخصوص فوبیا (Specific Phobia)

ب۔ سماجی فوبیا (Social Phobia)

ج۔ تھاناٹو فوبیا (Thanato Phobia)

الف۔ مخصوص فوبیا (Specific Phobia)

کسی بھی مخصوص شے سے پیدا ہونے والا خوف جو کسی خاص صورت حال یا مہیج سے وابستہ ہو مخصوص فوبیا کہلاتا ہے۔ فرد کا خوف جس خاص مہیج سے وابستہ اسے وہی نام دے دیا جاتا ہے۔ مثلاً جانوروں یا فطری ماحول کا خوف جس میں حشرات سے لے کر خونخوار درندے بھی شامل ہیں جبکہ فطری ماحول میں پہاڑ، نشیب، وادی، جھیل، دریا، سمندر، آبشار، سحر وغیرہ کا خوف شامل ہے۔

اس کے علاوہ مخصوص خوف کی درج ذیل صورتیں بھی ہو سکتی ہیں۔

- بند جگہوں کا خوف (Claustro Phobia)

- پانی کا خوف (Hydro Phobia)
- بلند مقامات کا خوف (Acro Phobia)
- جانوروں کا خوف (Zoo Phobia)
- خون کا خوف (Hemetao Phobia)

ب۔ سماجی فوبیا (Social Phobia):

مستقل اور غیر منطقی جو دیگر افراد سے متعلق ہو سماجی فوبیا کہلا تا ہے۔ اس میں فرد کسی مخصوص صورت حال کو نظر انداز کرتا ہے بالخصوص ایسی صورت حال جس میں وہ نگاہوں کا مرکز بن جائے یا جہاں اس کا تنقیدی جائزہ لیا جا سکے۔ اس کے علاوہ کسی بھی ایسی سرگرمی سے گریز کرتا ہے جو لوگوں کے سامنے کرنی پڑے۔ مثلاً سٹیج پر بولنا یا عام افراد کے سامنے بولنا، پبلک مقامات پر کھانا کھانا وغیرہ، فرد کو ایسی سرگرمیوں سے سخت خوف اور شرمندگی ہوتی ہے۔ سماجی خوف بھی کسی خاص صورت کے علاوہ عمومی صورت حال سے متعلق ہو سکتا ہے اس کا انحصار ان حالات پر ہے جن سے فرد بچنا چاہتا ہے۔ فرد ایسی جگہوں پر جانے سے گریز کرتا ہے جہاں وہ نفسیاتی یا جسمانی فرار حاصل نہ کر سکتا ہو یا جہاں سے فوری طور پر چھٹکارا حاصل ہو سکے۔

سماجی فوبیا کا آغاز عموماً اوائل عمری میں ہی ہو جاتا ہے۔ اس کے ساتھ فرد میں دیگر علامات بھی پیدا ہوتی ہیں جن میں افسردگی یا نشہ آور ادویات کا استعمال بھی ہو سکتا ہے۔

یوں تو ہم اپنے علم، تجربے اور عقل و بصیرت کی وجہ سے نقصان دہ اور تکلیف دہ اشیاء سے بچتے ہیں لیکن ذہنی مریض بے ضرر اشیاء سے خوف زدہ رہتے ہیں۔ بے جا خوف بالغ نوجوانوں میں بھی پائے جاتے ہیں لیکن خواتین اور لڑکیوں میں ان کی تعداد زیادہ ہے۔

بے جا خوف میں ثانوی فوائد بھی پائے جاتے ہیں اس کی وجہ سے فرد کو دوسروں کی توجہ اور ہمدردی حاصل ہو جاتی ہے۔ خوف زدہ رویے کو اختیار کرنے سے فرد کی تشویش میں کمی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کی وجہ

سے فرد کئی ذمہ داریوں سے بھی بچ جاتا ہے اگرچہ یہ خوف بچوں میں بھی پائے جاتے ہیں تاہم آغاز بلوغت میں جب سماجی تعلقات کی اہمیت فرد کے لیے بہت معنی خیز ہوتی ہے اس وقت ان کا آغاز ہوتا ہے۔

تھاناٹو فوبیا:(Thanato Phobia)

میرے خیال میں ”فوبیا“ جس کا مطلب صرف دنیا میں موجود ہر چیز کا ایک عالمگیر خوف ہے۔ ماہر نفسیات اور کچھ معاملات میں ماہر نفسیات ایسے خوفوں کا علاج کرتے ہیں۔ ان کا نام فوبیاس ہے۔ ”فوبیا۔۔۔“ بہت سے مشہور افراد مختلف فوبیاز میں مبتلا ہیں۔ مثال کے طور پر، بلندیوں کا خوف۔ اس کی وجہ سے، وہ طیاروں میں اڑ نہیں سکتے۔ کسی بیماری کا خوف جس کی وجہ سے وہ کسی بیماری کی تیار داری سے ڈرتے ہیں تو وہم کا شکار ہوتے ہیں اگر کوئی بیمار شخص ان کے قریب یا ان کے گھر میں آجائے تو وہ بیماری کے ڈر سے دوچار ہی رہتے ہیں کہ یہ بیماری کہیں ہمیں نہ ہو جائے۔ ایسی چیز کا خوف جس کا وجود ہی نہ ہو فوبیا کہلاتا ہے۔

اس کے علاوہ سب سے عام ایک محدود جگہ کا خوف، جو انٹر اٹورین ڈویلپمنٹ میں بھی پیدا ہوتا ہے، اور اونچائیوں کا خوف ہے۔

لاشعور ان حالات سے بچنے کی کوشش کرتا ہے جو فرد کے وجود کے لیے dangerous خطرناک ہیں۔ یہ فوبیا انٹر اٹورین ترقی کے ساتھ بھی وابستہ ہے۔ وہ خوف جو ایک شخص کو طویل عرصے سے مستقل طور پر پریشان کرتا ہے فوبیا۔۔۔ ایک شخص اونچائیوں، پانی، کھلی جگہ، جراثیم، مکڑیاں وغیرہ سے خوفزدہ ہو سکتا ہے۔ یہ فوبیاز اپنے میزبان پر بہت طاقتور اثر ڈال سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر کھلی جگہ کا فوبیا والا شخص باہر جانے سے گھبراتا ہے اور ہمہ وقت گھر بیٹھا رہتا ہے۔

> ”دائمی خوف ایک فوبیا ہے۔ یعنی، کسی چیز کی موجودگی میں بے قابو خوف یا اضطراب۔ ہو سکتا ہے کہ[۳۳]“

یہ عام طور پر ایک ہی چیز ہے، لیکن اب ہمارے ہاں مختلف خوفوں کو ”فوبیاز“ کہنا زیادہ رواج پا گیا ہے، یہ ایسی تکلیف دہ حالتیں ہیں جن کی خصوصیت بے قابو خوف ہے۔

یونانی میں، خوف ایک فوبیا ہے۔ یہ ہے، خوف، ایک جنونی حالت جو انسان کسی بھی شے کے سلسلے میں تجربہ کرتا ہے۔

فوبیا میں مبتلا شخص ایسی ہر صورتحال سے بچنے کی کوشش کرتا ہے جو اسے گھبراہٹ میں مبتلا کر سکتی ہے لیکن اصل میں اس طرح وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ یہ فوبیا شدید ہو جاتا ہے۔ اس کا یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ متاثرہ شخص کی زندگی ان احتیاطی تدابیر کی محتاج ہو جائے جو اسے ان صورتحال سے بچنے کے لیے اختیار کرنی پڑتی ہیں۔ اس بیماری سے متاثرہ افراد کو معلوم ہوتا ہے کہ ایسا کوئی حقیقی خطرہ نہیں ہے، انھیں اپنے خوف بیوقوفانہ لگتے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ انھیں کنٹرول نہیں کر سکتے۔ وہ فوبیا جو کسی پریشان کن واقعے یا حادثے کے نتیجے میں شروع ہوا ہو اس کے ختم ہونے کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں۔ اسی طرح رواں سال بھی ایک ایسی وبا پھوٹی جس نے ہر کس و ناکس کو خوف وہراس سے متعارف کرایا اور دائمی خوف ہر کسی پر طاری ہو گیا۔ اس وبا کا نام کورونا وائرس ہے جس نے ظاہری طور پر پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا ہے۔ اگرچہ یہ بیماری اتنی تباہی و بربادی کی متلاشی نہیں تھی لیکن اس سے پیدا ہونے والا خوف عالمگیریت کی مثال بن گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک علاقے سے پھوٹنے والی وبا چند ہی مہینوں میں عالمی وبا بن گئی۔ لاکھوں کی تعداد میں لوگ بیماری کی بجائے خوف کی وجہ سے اس دنیا سے چل بسے۔

ہ: خوف کے عناصر:

وائرس سے بچنے کے لیے احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کی ضرورت ہے، شریعت نے اس کی ہدایت دی ہے، تاہم اس سے خوف اور دہشت میں آنے کی ضرورت نہیں ہے اس لیے خوف و دہشت سے بڑا کوئی وائرس نہیں ہے۔ بہت سے لوگ جو اس بیماری میں مبتلا نہیں ہیں، لیکن خوف نے اس پر اس قدر دبیز چادر تان لی ہے کہ وہ کورونا سے زیادہ مہلک بیماری میں مبتلا ہو سکتے ہیں۔

بے چینی:

بے چینی (گھبراہٹ) ایک عام انسانی احساس ہے۔ ہم سب کو اس کا تجربہ اس وقت ہوتا ہے جب ہمیں کسی مشکل کا سامنا ہو۔ خطرات سے بچاؤ، چوکنا ہونے اور مسائل کا سامنا کرنے میں عام طور پر خوف اور گھبراہٹ مفید ثابت ہوسکتے ہیں۔ تاہم اگر یہ احساسات شدید ہو جائیں یا بہت عرصے تک رہے تو یہ ہمیں ان کاموں سے روک سکتے ہیں جو ہم کرنا چاہتے ہیں اور اس کے نتیجے میں ہماری زندگی تکلیف دہ ہوسکتی ہے۔ فوبیا کسی ایسی مخصوص صورتحال یا چیز کا خوف ہے جو خطرناک نہیں ہوتی اور عام طور پر لوگوں کے لیے پریشان کن نہیں ہوتی۔ بے چینی (گھبراہٹ) کی مختلف علامات ہوتی ہیں:

۱۔ جسمانی علامات
۲۔ ذہنی علامات
۳۔ دل کی دھڑکن محسوس ہونا
۴۔ زیادہ پسینہ آنا
۵۔ ہر وقت پریشانی کا احساس
۶۔ پٹھوں میں کھنچاؤ اور درد ہونا
۷۔ تھکن کا احساس
۸۔ سانس کا تیزی سے چلنا
۹۔ توجہ مرکوز نہ کرپانا
۱۰۔ سر چکرانا
۱۱۔ چڑچڑے پن کا احساس
۱۲۔ بے ہوش ہوجانے کا ڈر

مندرجہ بالا وجوہات یا علامات بے چینی (گھبراہٹ کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں جو وقت کے ساتھ ساتھ طاقت پکڑتے چلے جاتے ہیں۔ گھبراہٹ کا شکار افراد ان علامات کی وجہ سے یہ سمجھتے ہیں کہ انہیں کوئی شدید جسمانی بیماری ہوگی ہے۔ گھبراہٹ کے غیر متوقع اچانک دورے پینک (Panic) کہلاتے ہیں۔ اکثر گھبراہٹ اور پینک کے ساتھ ڈپریشن بھی ہوتا ہے۔ جب ہم اداس ہوتے ہیں تو ہماری بھوک ختم ہوجاتی ہے اور مستقبل تاریک اور مایوس کن نظر آتا ہے۔

ایک ایسا شخص جسے فوبیا ہو اس میں اوپر بیان کی گئی گھبراہٹ کی شدید علامات پائی جاتی ہیں۔ لیکن یہ اس وقت ظاہر ہوتی ہیں جب وہ کسی ایسی خاص صورتحال میں ہوں جس میں انہیں شدید گھبراہٹ ہوتی ہو۔ دیگر اوقات میں انہیں گھبراہٹ نہیں ہوتی۔ اگر آپ کو کتوں کا خوف ہو تو آپ اس وقت بالکل ٹھیک ہونگے جب کتے آپ کے آس پاس نہ ہوں۔ اگر آپ کو بلندی کا خوف ہو تو زمین پر آپ ٹھیک رہیں گے۔ اگر

آپ ہجوم کا سامنا نہ کر سکتے ہوں تو اکیلے میں آپ آرام سے رہیں گے۔ ہم میں سے کچھ لوگوں کی طبیعت اس طرح کی ہوتی ہے کہ وہ ہر بات پہ پریشان رہتے ہیں۔ تحقیقات سے پتہ چلتا ہے کہ اس طرح کی طبیعت جینز کے ذریعے وراثت میں بھی مل سکتی ہے۔ تاہم وہ لوگ بھی جو قدرتی طور پر ہر وقت پریشان نہ رہتے ہوں اگر ان پر بھی مستقل دباؤ پڑتا رہے تو وہ بھی گھبراہٹ کا شکار ہو جاتے ہیں۔

کبھی کبھار گھبراہٹ کی وجہ بہت واضح ہوتی ہے اور جب مسئلہ حل ہو جائے تو گھبراہٹ بھی ختم ہو جاتی ہے۔ لیکن کچھ واقعات اور حالات اتنے تکلیف دہ اور خوفناک ہوتے ہیں کہ ان کی وجہ سے پیدا ہونے والی گھبراہٹ واقعات کے ختم ہونے کے طویل عرصے بعد تک جاری رہتی ہے۔ یہ عام طور پر اس طرح کے واقعتاً ہوتے ہیں، جن میں انسان کی جان کو خطرہ ہو مثلاً کار یا ٹرین کے حادثات، ناگہانی آفات، کسی وبا کا پھوٹ پڑنا اور آگ وغیرہ۔ ان واقعات میں شامل افراد مہینوں یا سالوں تک گھبراہٹ اور پریشانی کا شکار رہ سکتے ہیں چاہے خود انھیں کوئی جسمانی چوٹ نہ لگی ہو یا وہ خود اس بیماری کا شکار نہ ہوئے ہوں تب بھی یہ علامات پوسٹ ٹرامیٹک اسٹریس ڈس آرڈر (Post Traumatic Stress Disorder) میں پائی جاتی ہیں۔

تاہم دوسری طرف یہ واضح نہیں ہے کہ کوئی مخصوص شخص کیوں گھبراہٹ میں مبتلا ہوتا ہے۔ اس لیے کہ یہ ان کی شخصیت، ان پر گذرنے والے واقعات اور زندگی میں رونما ہونے والی تبدیلیاں اس گھبراہٹ کا باعث بنتے ہیں۔

ڈر:

اصل میں باطن کی کیفیات کا خارج سے جوڑنا ڈر ہے۔ ڈر داخلی و خارجی دونوں اقسام کا ہوتا ہے۔ ڈر اگر خارج کے کسی محرک سے پیدا ہوا ہو تو اس کے پیچھے فعلیاتی دفاعی نظام کارفرما ہوتا ہے کیونکہ ہر جاندار کو اپنی بقاء کی جدوجہد کرنی ہوتی ہے۔ شکاری کو دیکھ کر ڈر کا احساس دراصل اس سے دور بھاگنے کی کوشش ہوتی ہے۔

خودی کا احساس اور اس کا تحفظ بھی دراصل جانداروں کا وہ رویہ ہے جس کی بدولت وہ زندہ رہتے ہیں۔ مثال کے طور پر درد اور خوف کو لیجئے درد عموما ایک ایسا جسمانی رد عمل ہے جو کسی بھی نقصان دہ فعل سے بچنے کے لیے جاندار کے جسم میں پیدا ہوتا ہے۔ آگ پر ہاتھ یا جسم کا کوئی حصہ آجائے تو جسم جل جاتا ہے۔ جلد میں موجود ریسیپٹر آگ کے ہونے کا احساس خارج سے باطن میں منتقل کرتے ہیں۔ اگر کسی انسان میں یہ ریسیپٹرز جینیاتی اعتبار سے موجود نہ ہوں تو اس کو گرم، سرد اور کسی بھی قسم کا ایسا احساس نہیں ہوتا جس کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو بچا سکیں۔ ایسے مریض فقط دباؤ کو محسوس کر سکتے ہیں۔

بہت ہی نایاب قسم کی ان بیماریوں کا ذکر کرنا بھی ضروری تھا کیونکہ ڈر اور خوف کے ارتقاء کی اصل وجہ کیا تھی۔ اس کے علاوہ درد کے نتیجہ میں ایڈرینالین کا جسم میں خارج ہونا جس کی بدولت کسی بھی جاندار میں سننے، سونگھنے، دیکھنے اور خود کو بچانے کی صلاحیت کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔ اسی طرح اگر ہم سادہ سے یک خلوی جانداروں میں دیکھیں تو وہ بھی خودی کا تحفظ کرتے ہیں اور خود کو خطرناک ماحول سے محفوظ ماحول میں منتقل کرتے ہیں۔

اپنے ہی ماضی سے خوف زدہ ہونا بھی ایک نفسیاتی عمل ہے جس سے انسان ہر وقت پریشان رہتا ہے اور بعض اوقات زیادہ فکر سے انگزائٹی کا شکار ہو جاتا ہے۔ اسی طرح آتا ہے فوبیا یہ ایسا خوف ہے جس کی وجہ سے آپ عموما نارمل ہوتے ہیں لیکن جیسے ہی اور لوگوں کی نسبت آپ کا سامنا اس محرک سے ہوتا ہے تو آپ خوف زدہ ہو جاتے ہیں۔ جیسے کتے سے ڈرنا، اونچائی سے ڈرنا، پانی سے ڈرنا، ناگہانی آفت سے ڈرنا، کسی بیماری سے ڈرنا وغیرہ۔ یہ ایسے خوف ہیں جو کہ عین نفسیاتی ہوتے ہیں۔

"شک اگر علم و تحقیق سے حل نہ کیا جائے تو خوف بنتا ہے"۔ (۳۴)

نفسیاتی طور پر ذہن میں اٹھنے والے سچ کی وجہ سے طوفان کو کون سنبھالے گا۔ مختلف اقسام کے ڈر اور خوف کی دراصل اس کی وجہ ہمارا احساس ہی تھا جو بقاء کی وجہ سے ارتقائی عمل میں ہم جانداروں کے جسم کا حصہ بنا۔ ہمیں اپنی کم علمی کے خوف کو تجسس میں بدل دینا ہو گا۔ کیونکہ تجسس متجسس کی حیرت کو علم میں بدل دیتا ہے اور علم باعث ارتقاء ہے اور ارتقاء خوف پیدا نہیں کرتی۔

وہم:

آج کے اس ترقیافتہ دور میں ہمارے معاشرے کا اگر کوئی مسئلہ ایسا دیکھنا ہو جو بہت عام ہو تو وہ وہم ہے۔ جس کے اثر سے بہت قلیل تعداد ہی محفوظ ہے۔ وہم سے توہم بنتا ہے، وہم سے ہی شک جنم لیتا ہے، وہم ہی یقین کی دیمک ہے، وہم سدا بہار شبہ ہوتا ہے، وہم گمان کی راہ سے بدگمانی کی پستیوں کی سیڑھی ہے، وہم جب عروج لے تو اوہام بن جاتے ہیں اور اوہام پرست کی راہ شرک پرستی کی طرف ہی جاتی ہے۔

وہم عام بھی ہے، ہاتھ دھو لیے لیکن کچھ لمحوں میں ہی بار بار ہاتھوں کو دیکھ کر یہ شک ہونا کہ ٹھیک نہیں دھلے، صحیح طرح سے دھونے چاہیے تھے، تالا لگا کر بھی بار بار تالا چیک کرنا، عین نماز میں کپڑوں کی پاکی ناپاکی کو سوچنا، ایسی ہزاروں مثالیں جہاں زندگی اذیت بن جاتی ہے اور روز شب اس شک و وہم میں گزرتے چلے جاتے ہیں اور انسان اپنی ہی ذات کی کشمکش میں الجھا رہتا ہے۔

وہم خاص بھی ہوتے ہیں۔ دوستوں و عزیزوں میں گمان پر وہم پال لینا، ان وہموں پر رشتوں کو تولتے رہنا، اس تول مول میں اپنے برتاؤ کو اپنے اس تول مول سے جوڑ لینا، کسی بیماری کا ذکر سن لے تو اپنی ذات میں شک کی دوربین سے ڈھونڈنا، شک ہو جائے تو وہم کی خوردینی مشاہدے میں اس پر یقین کر لینا اور اس یقین پر بیمار بن جانا۔ یہ ساری چیزیں ہمیں ایک جز سے کل کی طرف دھکیلتی ہیں۔

وہم ہماری رسموں میں در آیا ہے، وہم ہماری معاشرت میں جگہ بنا کر بیٹھ چکا ہے۔ کبھی نئے گھر پر پرانے جوتے لٹکا دیتا ہے، کبھی گاڑی پر کالے کپڑے، کبھی شادی میں دلہن سے بھانت بھانت کی رسمیں کرا دیتا ہے، تو کبھی نومولود بچے کے پاس چھری رکھوا دیتا ہے اور چھوٹے بچوں کا تو پل پل میں والدین و بزرگوں کے اس وہم کے زیر سایہ بسر ہوتا ہے، یہی وہ وہمی تربیت جو کل وہم کو ان کی جینیٹکس کا حصہ بنا دیتی ہے۔

وہم بلاشبہ ایک بیماری ہے، وہم جسے طب کی زبان میں آبسیسو کمپلسوڈس آرڈر کہتے ہیں۔ یہ ابتدائی عمر کی بیماری ہے، جہاں پہلے خیالات بنتے ہیں، ان خیالات کی وجوہات نہیں ہوتی لیکن اس تواتر سے بنتے ہیں

کہا یک خوف وڈر پیدا کر دیتے ہیں۔ اس خوف سے چھٹکارے کے لیے ہم اس وہمی خیال کے مطابق وہ حرکت کر گزرتے ہیں۔ وقتی آرام مل جاتا ہے لیکن بیماری جڑ پکڑ لیتی ہے۔

سماجی دوری:

چین سے پھیلنے والیکورونا وائرس کی وبا نے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے اور اس انسانی بحران کے دوران جس بات پر سب سے زیادہ زور دیا جا رہا ہے وہ ہے سوشل ڈسٹینسنگ یا سماجی دوری اختیار کرنا۔

تحقیق کے مطابق کورونا وائرس زیادہ تر انسانی رابطوں سے پھیلتا ہے اور یہ محض متاثرہ شخص سے کچھ فٹ کے فاصلے پر کھڑے کسی دوسرے انسان میں منتقل ہو سکتا ہے۔ کورونا وائرس سے متاثرہ کسی شخص کے ساتھ تعلق میں سے گریز کرنے میں ہی حکمت ہے۔

اگر آپ سماجی دوری اختیار کر رہے ہیں تو آپ کو ایسے تمام افراد سے رابطہ منقطع یا کم سے کم کر دینا چاہیے جن سے ملنا انتہائی ضروری نہیں۔ یعنی کہ آپ شاپنگ مراکز، سینما، کلب یا باغات جیسے عوامی مقامات پر جانے سے گریز کریں۔ ممکن ہو تو دفتر بھی نہ جائیں اور گھر سے کام کریں۔ اس کے علاوہ کسی بھی ایسے مقام کا سفر کرنے سے گریز کریں جہاں جائے بغیر آپ کا گزارہ نہ ہو۔ اگر آپ کسی فرد سے مل بھی رہے ہیں تو کوشش کریں کہ اس سے آپ کا فاصلہ کم از کم ایک میٹر ہو۔

سماجی دوری کورونا کی عالمی وبا سے نبرد آزما ہونے کے لئے بروقت حکمت عملی ہے کیونکہ یہ ایک ایسی بیماری ہے جو انسانوں کے باہمی روابط سے پھیلتی چلی جاتی ہے۔

و: کورونا اور خوف وہیجان:

ایک تو کورونا وائرس کا خوف اور پھر اسی حالت میں آپ کو کسی کمرے میں الگ تھلگ رہنے کے لیے کہا جائے تو کیا ہو؟ کورونا ایک ایسی بیماری ہے جس کا ذکر اور خوف ہر جگہ ہے۔ کورونا نے انسان کو ظاہری کم اور باطنی طور پر زیادہ مفلوج کر دیا ہے۔ انسان نفسیاتی مریض ہو کر رہ گیا ہے۔ چونکہ کورونا بھی ایک متعدی بیماری ہے لہذا اس سے دوچار افراد یا متاثرہ افراد کے ساتھ رابطے میں آنے والے افراد کو الگ رکھا جا رہا ہے۔ کورونا

نے خوف کی ایک ایسی لہر دوڑا دی ہے کہ جس نے چلتی پھرتی دنیا کا پہیہ روک کر رکھ دیا۔ بازاروں کی زینت بنے والے صرف اور صرف گھروں تک محدود رہ گئے۔

کورونا وائرس نے دنیا کو غیر یقینی کی صورت حال میں ڈال دیا ہے اور اس وبا کے متعلق مسلسل خبریں بڑی بے رحم لگ سکتی ہیں۔ یہ سب لوگوں کی ذہنی صحت پر اثر انداز ہو سکتی ہے، خصوصا ان افراد کی صحت پر جن میں پہلے ہی اضطراب پایا جاتا ہے۔

حوالہ جات

۱. https://www.google.com

۲. https://www.rekhtadictionary.com

۳. کنزیٰ خالق، ماہنامہ بیاض، لاہور، جولائی ۲۰۲۰ء، ص ۱۱۶

۴. اسحاق وردگ، ڈاکٹر دبستان پشاور، خیال نامہ، اپریل ۲۰۲۱ء۔

۵. ثوبیہ طاہر، ڈاکٹر فرائڈ کے مضامین، نگارشات پبلشرز ۲۰۱۷ء، ص ۲۴

۶. مترجم، محمد ندیم سلیم، نفسیات کی سائنس (The Science of Physiology) ص ۳

۷. The Arden Shakespear, Death, Book of Quatoations, Compiled byJane Armstrong, Printed in Singapore, Seng Lee Press, 2001, p. 16.

۸. ثوبیہ طاہر، ڈاکٹر، فرائڈ کے مضامین، نگارشات پبلشرز، ۲۰۱۷ء، ص ۲۴

۹. ایضاً

۱۰. صفیہ عباد، ڈاکٹر، راگ رُت، خواہش مرگ اور تنہا پھول، نیشنل بک فاونڈیشن، طبع دوم، مئی ۲۰۲۰ء، ص ۱۸

۱۱. ایضاً

۱۲. https://www.facebook.com

۱۳. ایضاً

۱۴. ایضاً ۲۴۶

۱۵. Lauren B. Alloy, Joan Accocella, Abnormal Psychology, SeventhEdition, U.S.A, ۱۹۷۲, p ۲۴۶

۱۶. https://www.facebook.com

۱۷. صفیہ عباد، ڈاکٹر، راگ رت، خواہش مرگ اور تنہا پھول، نیشنل بک فاؤنڈیشن، طبع دوم، مئی ۲۰۲۰ء، ص۱۹

۱۸. https://www.facebook.com

۱۹. ایضاً

۲۰. صفیہ عباد، ڈاکٹر، راگ زت، خواہش مرگ اور تنہا پھول، نیشنل بک فاؤنڈیشن، طبع دوم، مئی ۲۰۲۰ء، ص۲۰

۲۱. Lauren B. Alloy, Joan Accocella, Abnormal Psychology, SeventhEdition, U.S.A, 1972, p. 238.

۲۲. باقر نقوی، "خلیے کی دنیا جنیات"، کلوننگ اور انسانی جنیوم، اردو، سائنس بورڈ، کوہستان انٹرپرائزز، ۱۹۹اپر مال لاہور، طبع سوم، ۲۰۲۲ء، ص۲۷

۲۳. https://www.instagram.com

۲۴. https://www.facebook.com

۲۵. کنزیٰ خالق، ماہنامہ بیاض، لاہور، جولائی، ۲۰۲۰ء، ص۱۱٦

۲۶. اسلامی جمہوریہ نیوز ایجنسی (ارنا)، ۱۹دسمبر ۲۰۲۰ء

۲۷. ایضاً

۲۸. ایضاً

۲۹. ایضاً

۳۰. کلیم الدین احمد، مترجم، ممتاز احمد، تحلیل نفسی اور ادبی تنقید، بہار اردو اکادمی، ۱۹۹۰ء، ص۷

۳۱. The Oxford Dictionary of Quotations, P ۳۲۴.

۳۲. https://www.pal.gov.pkTime ٦:۱۸ PM,۱۲/۲۱/۲۰۲۱

۳۳. https://www.google.com, Time ۷:۲۴ PM۱۲/۲۱/۲۰۲۱

۳۴. https://www.google.com, Time ۸:۱۰ PM, ۱۲/۲۲/۲۰۲۱

باب دوم: کورونائی ادب اور خوف کے عناصر کی پیش کش

- نظریۂ ادب
- کورونائی ادب کا آغاز وارتقاء
- کورونائی ادب کے نمائندہ موضوعات اور پیش کش
- کورونائی ادب اور خوف کا اظہار

کورونائی ادب اور خوف کے عناصر کی پیش کش

- **نظریۂ ادب:**

انسانی شخصیت کے راز کو جاننے کا ایک طریقہ "ادب" بھی ہے۔ جس میں ڈرامہ، ناول، شاعری، افسانہ، کالم وغیرہ شامل ہیں۔ جن کی وساطت سے ماہرین نفسیات اپنے اندر شخصیت کی اصلیت کو سمجھنے، پرکھنے، اس کے عناصر کو اور اس کی گہرائی اور گہرائی کی حدود احاطہ کرنے لگاتار کوشش کرتے ہیں۔ اس اعتبار سے بالخصوص نثر نگاری پر توجہ دی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ انسان خود اپنی تلاش (اپنی ذات یا ذات انسانی) کو عنوان دے کر اس کی چھپے ہوئے گوشوں تک پہنچنے کے لیے کوشاں ہے اور اس جہت کو فرائڈ نے اپنے نظریہ ادب میں دہرایا ہے۔ جس میں انہوں نے کچھ تخلیق کاروں کے فن پاروں سے ان کی شخصیت کو پنہاں خانوں تک رسائی حاصل کی ہے۔

فرائڈ نے تحلیل نفسی کے بعد ان کی ذہنی کیفیت کو پرکھنے اور سمجھنے کے لیے "نظریہ ادب" بھی تشکیل دیا۔ فرائڈ کو خود بھی ادب سے بہت زیادہ لگن تھی۔ یہاں تک کہ وہ اپنے کلینک میں تمام آنے والے مریضوں کا بغور مطالعہ کرتا اور سرگزشتوں کو ایک ناول کی طرح سمجھتا۔ ڈاکٹر سلیم اختر اپنی کتاب نفسیاتی تنقید میں فرائڈ کے نظریہ ادب کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "تحلیل نفسی کے عمل کو مزید بہترین طریقے سے اور انسان کی نفسیات کو سمجھنے کے لیے ایک ذریعہ ادب بھی ہے جس میں انہوں نے کئی تخلیق کاروں کو نظریہ ادب اور تحلیل نفسی کے تناظر میں پرکھا۔ اس کے علاوہ سگمنڈ فرائڈ نے ان کی مدد سے ان کے لاشعوری خیالات اس نظریے کی مدد سے ایک تخلیق کار کے فن پارے سے نہ صرف اس کی ذہنی کیفیت کا بلکہ وہ کس

> طرح کے دور سے گزر رہا ہے اس کے حالات ، جذبات، خواہشات اور ضروریات کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ سگمنڈ فرائڈ اپنے پاس تمام آنے والے افراد اور ان کی سرگزشتوں کو قلم بند کرنے کے بھی شدت سے خواہش مند تھے اور تخلیق کاروں کا نفسیاتی طور پر بغور مطالعہ کرتے۔ فرائڈ نے نظریۂ ادب سے نہ صرف تخلیق کاروں سے فن کے ذریعے ان کے ذہنی حالات کی جانکاری حاصل کی بلکہ وہ خود بھی اس نظریے کے اصول و ضوابط کی روشنی میں ادب پاروں کی قدر اور ان کا معیار متعین کرتا تھا"۔ ۱

سگمنڈ فرائڈ کیونکہ بنیادی طور پر سائنس دان تھا اس اعتبار سے ادیبوں، تخلیق کاروں یا ادب سے اس کی دلچسپی ثانوی حیثیت کی حامل تھی۔ کیونکہ اس کی اول ترجیح اور توجہ کو مرکوز کرنے کا ایک خاص نقطہ نفسیات تھا۔ فرائڈ کے خیال کے مطابق کسی بھی فن پارے ادب سے ہوں یا سنگ تراشی کے نمونے کی صورت، اس پر گہرا اور دیر پا اثر کرتے تھے اور ان کو سمجھنے کی کوشش وہ ہمیشہ اپنے طریقہ سے کرتا اور اس بات کی تہہ تک پہنچ جاتا کہ وہ کیونکر اس پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اس نظریہ نے مغربی ادب اور جدید ادب پر اپنے گہرے اثرات مرتب کیے۔ تحلیل نفسی کی روشنی میں یہ ادبی نظریہ جس کے ذریعے ادیبوں کے نظام فکر، تخلیق کار اور ادیبوں کی ذہنی الجھنوں کو سمجھنے، جاننے اور پرکھنے کا اس سے بہتر طریقہ کوئی اور نہیں تھا۔ فرائڈ لکھتے ہیں:

> "ادیب بھی وہی کچھ کرتا ہے جو کھیل میں مگن ایک بچہ کرتا ہے۔ یعنی فینٹیس (Fantasies) کی مدد سے وہ بھی ایک نئی دنیا تخلیق کرتا ہے۔ ایسی دنیا جس کے بارے میں وہ خود بے حد سنجیدہ ہوتا ہے گو وہ بھی اسے حقیقت سے ممیز کرتا ہے لیکن وہ اس کے باوجود ہر ممکن طریقے سے اسے پرکشش بنانے کی سعی بھی کرتا ہے شاعرانہ تخلیق اور بچگانہ کھیل میں جو تعلق ہے زبان نے اسے محفوظ رکھا ہے"۔ ۲

• نظریہ موت:

موت سے متعلقہ مظاہر کے مطالعہ نے ایک عرصہ سے محققین کو مسحور کر رکھا ہے جس کے نتیجے میں اس پر تحقیق کے دوران کئی نظریات تشکیل دیئے گئے ہیں۔ ان ہی میں سے ایک نظریہ تاریخ ساز شخصیت سگمنڈ فرائڈ کا بھی ہے جسے اس نے ڈیتھ ڈرائیو(Death Drive) کے نام سے متعارف کروایا۔ جس کا ترجمہ

> "موت کی شدید خواہش سے کیا گیا۔ موت کو انگریزی میں (Death) جبکہ
> (Drive) معنی کے اعتبار سے وسیع مفہوم کا حامل ہے"۔ ۳

یہ انگریز زبان کا لفظ ہے جس کے لفظی معنی چلانا، کنٹرول کرنا، آگے بڑھنا، موڑنا، دباؤ دینا جبکہ نفسیات کی اصطلاح میں اس کے معنی، ضرورت، خواہش، تحریک، تمنا اور جبلت کے ہیں۔ اگر اصطلاح کی وضاحت کی جائے تو "ڈرائیو" سے مراد ایک ایسی تحریک ہے جو فرد کو واپسی کی طرف دھکیلتی یا مجبور کرتی ہے۔ (یہاں زندگی سے واپسی کی طرف مراد لیا جائے گا)۔

سگمنڈ فرائڈ نے ۱۹۲۰ء میں اپنے مقالے Beyond the Pleasure Principle میں ڈیتھ ڈرائیو کے نظریے سے یہ واضح کیا:

> " موت کی خواہش انسان کی جبلت میں موجود ہوتی ہے۔ یہ ایک فطری خواہش ہے۔ اس نظریے کے مطابق موت کی خواہش کی تکمیل کے لیے فرد اپنی زندگی کی بقا کا خواہش مند نہیں ہوتا۔ اس کا مقصد نہ صرف اپنی زندگی کو مٹا دینا ہے بلکہ واپس اس دنیا میں چلے جانا ہے جہاں سے وہ آیا تھا یا وہ اس دنیا میں جانے کی خواہش رکھتا ہے جہاں سے منتقلی ممکن نہ ہو۔ ۔ ۴

فرائڈ نے نفسیات کی اصطلاح میں اسے Thanatos کے لفظ سے متعارف کرایا جس کا مطلب "موت کی تحریک" ہے یہ تحریک انسان کو زندگی سے جڑی تمام سرگرمیوں سے دور کر کے اس کیفیت میں لے جاتی ہے جس میں موت کی خواہش کرنے والا نہ تو بلا وجہ جینے کی خواہش رکھتا ہے اور ہی اس جیسی سرگرمیوں میں حصہ لیتا ہے۔ لیکن دلچسپی کی بات یہ ہے کہ یہ خواہش فرد کے لاشعور میں پائی جاتی ہے جس کا

ادراک انسان کو شعوری طور پر نہیں ہوتا۔ یہ کیفیت ہر انسان میں الگ الگ پائی جاتی ہے۔ بعض دفعہ افراد کو اس کا اندازہ جلد ہو جاتا ہے اور لاشعور سے یہ کیفیت شعور میں آکر اپنا ردعمل کرتی ہے۔ لیکن بعض اوقات شعوری طور پر انسان ایسی سرگرمیوں میں حصہ لیتا ہے جس سے اس کا جھکاؤ زندگی کی نسبت موت کی طرف زیادہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جبلت رجعت پسند ہوتی ہے اس لیے وہ اپنی اصلی حالت میں لوٹ کر جانا چاہتی ہے اور یہی فرائڈ کے تصور موت کا بنیادی نقطہ ہے۔

فرائڈ کی نظریہ موت کی ابتدا میں تو بہت مخالفت ہوئی ہے اور لوگوں نے اس نظریے کو تسلیم کرنے سے صاف صاف انکار کر دیا لیکن وقت کے ساتھ ساتھ موت پر بڑھتے ہوئے رجحان سے اس نظریے کو بھی بہت اہمیت حاصل ہونے لگی۔

فرائڈ کے نظریہ موت میں نظریہ شخصیت، نظریہ لاشعور، نظریہ تحلیل نفسی اور نظریہ ادب اساسی کردار ادا کرتے ہیں جس میں لاشعور، شعور، اڈ، ایگو، سپر ایگو، خود کار طریقوں سے اپنے افعال سرانجام دیتے ہیں۔ نظریہ موت کے ارتقائی مراحل میں ایک اہم کردار انسانی جبلت کا بھی ہے۔ "جبلت" نظریہ موت کی اساس ہے جسے انگریزی زبان میں Instinct کہتے ہیں۔

> "جس کے تحت انسان کسی دی گئی صورت حال میں کسی خاص طریقے سے
> عمل کرنے کا پیدائشی یا فطری رجحان رکھتا ہے۔" ۵

سگمنڈ فرائڈ کا نظریہ ادب کے عناصر "نظریہ موت" میں نظر آتے ہیں جن سے ایک لکھنے والی کی تحریروں سے اس کی ذہنی سطح، دلچسپی، موت سے لگاؤ یا زندگی کی کشش کے بارے میں اچھی طرح اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ فرائڈ کے نزدیک نظریہ موت کے موضوع کے حوالے سے ایک لکھاری کی فنکارانہ تخلیقات، فنکار کی لاشعوری خواہشات کی آسودگی اور اس کی تسکین کا سبب ہوتی ہیں کیونکہ وہ حالات کا دباؤ یا مزاحمت اپنی تحریروں کے ذریعے بخوبی کر سکتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ مصنف کی تخلیق میں اس کی لاشعوری قوت کار فرما ہوتی ہے۔ تاہم لاشعور کی ہر تخریبی طاقت جب شعور میں پہنچ کر اپنی سمت بناتی ہے تو ایک تعمیری قوت کی صورت میں سامنے آتی ہے جو مصنف کو کسی نئے موضوع پر لکھنے کے لیے مجبور کرتی ہے۔ کورونائی ادب کے

مطالعے سے پہلے میں ادب کے مختصر تاریخ میں نثری اتار چڑھاؤ کو انتہائی اختصار کے ساتھ بیان کیا جائے گا کہ ماضی میں ادب کس طرح وقت اور حالات کے سانچے میں ڈھلتے ہوئے کس طرح اپنے ہونے کا ثبوت دیتا ہے۔

- **وبائی ادب کی روایت:**

ہم تاریخ کے صفحات پلٹتے جاتے ہیں اور ایک سے بڑھ کر ایک وبا اور اس کی ہلاکت خیزی ہمارا دل دہلا دیتی ہے۔ ان خوفناک وباؤں نے بڑے پیمانے پر انسانی آبادی کو درہم برہم کر کے رکھ دیا۔ ۱۳۴۷ء سے ۱۳۵۱ء میں طاعون کی وبا پھیلی اور اس سے اتنی ہلاکتیں ہوئی کہ اسے سیاہ موت کہا گیا اور اس وبا سے ساڑھے سات کروڑ سے بیس کروڑ تک ہلاکتیں ہوئیں۔

> "زندگی کے پریشان کن حالات و واقعات اور ان کا لاشعور کا حصہ بن جانا نہ
> صرف انسان کو (Depression) اضمحلال سے دو چار کرتا ہے بلکہ اسے
> اس کیفیت میں مزید شدت سے بھی مسلسل ہمکنار کرتا رہتا ہے"۔(۶)

یہی بیماریاں اور ان سے پیدا ہونے والا خوف انسان کے لاشعور میں اپنی جگہ بنائے مستقل ڈیرے لگائے ہوئے ہے۔ انسانی تاریخ بھی اتنے بڑے سانحے سے دوچار نہیں ہوئی طاعون کی اس وبا نے دنیا کو اس قدر متاثر کیا کہ کہا جاتا ہے کہ اگر یہ وبا نہ آئی ہوتی تو آج دنیا کا نقشہ کچھ اور ہوتا۔ ماہرین کے مطابق طاعون کا جرثومہ مشرقی ایشیا سے ہوتا ہوا تجارتی راستوں کے ذریعے مشرقِ وسطی اور پھر یورپ جا پہنچا جہاں وہ ۳۰ فیصد سے ۶۰ فیصد آبادی کو موت کے منہ میں لے گیا۔ تباہی اس قدر بھیانک تھی کہ پورے شہر میں مردوں کو دفنانے والا کوئی نہیں بچا۔ اس وبا کے اثرات کی وجہ سے تاریخ میں پہلی بار دنیا کی مجموعی آبادی کم ہو گئی اور دوبارہ آبادی کی اس سطح تک پہنچنے کے لیے دنیا کو دو سو سال لگ گئے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جب دنیا ابھی ابھی پہلی عالمی جنگ کی تباہی کے ملبے تلے دبی ہوئی تھی یعنی ۱۹۱۸ء تا ۱۹۲۰ء اس وقت دنیا کی آبادی پونے دو ارب کے قریب تھی، جب کہ ہسپانوی فلو نے تقریبا ہر چوتھے شخص کو متاثر کیا۔ اس وقت جنگ کی صورت حال کی وجہ

سے یورپ کے بیشتر حصوں میں اس فلو سے ہونے والی ہلاکتوں کو چھپایا گیا، جب کہ اسپین چونکہ جنگ میں شامل نہیں تھا اور وہاں سے بڑی ہلاکتوں کی خبریں آنے کے بعد یہ تاثر ملا جیسے اس بیماری نے خاص طور پر اسپین کو ہدف بنایا ہے۔ عام طور پر فلو بچوں اور بوڑھوں کے لیے زیادہ مہلک ثابت ہوتا ہے، لیکن ہسپانوی فلو نے جوانوں کو خاص طور پر ہلاک کیا۔ اسی طرح ایڈز / ایچ آئی وی وجود میں آئی جس کا وائرس مغربی افریقہ میں چمپینزیوں سے انسان میں منتقل ہوا اور پھر وہاں سے بقیہ دنیا میں پھیل گیا۔ اس بیماری نے سب سے زیادہ افریقہ کو متاثر کیا ہے اور حالیہ برسوں میں دنیا بھر میں ہونے والے ساٹھ فیصد سے زیادہ مریضوں کا تعلق زیریں صحرائے صحارا افریقہ سے ہے۔ تاریخ کا جائزہ لیتے ہوئے ہم طاعون کی ایک اور وبا دیکھتے ہیں ۵۴۱ء تا ۵۴۲ء سٹین طاعون جس سے ڈھائی کروڑ ہلاکتیں ہوئیں اس وبا نے دو سال کے اندر اندر بازنطینی سلطنت اور اس سے ملحقہ ساسانی سلطنتوں کو سیلاب کی طرح لپیٹ میں لے لیا۔ اس وبا کا اثر اس قدر شدید تھا کہ ماہرین کے مطابق اس نے تاریخ کا دھارا ہی بدل کر رکھ دیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس وبا نے ان سلطنتوں کو اتنا کمزور کر دیا تھا کہ چند عشروں بعد عرب بڑی آسانی سے دونوں کو الٹنے میں کامیاب ہو گئے۔ اسی طرح کوکولز تلی نامی وبا نجی میکسیکو میں آئی تھی، اس کی وجہ بھی وہی تھی یعنی براعظم امریکا کے مقامی باشندوں میں یورپی جراثیم کے خلاف عدم مدافعت لیکن اس وبا نے دوسری کے مقابلے پر کہیں زیادہ قیامت ڈھائی اور پچاس لاکھ سے ڈیڑھ کروڑ لوگوں کو موت کی نیند سلا دیا۔ یہ اعداد و شمار اس لحاظ سے بے حد لرزہ خیز ہیں کہ اس وقت آبادی آج کے مقابلے میں بہت کم تھی اور تصور کیا جا سکتا ہے کہ اس نے کیسے پورے ملک کو بنجر بنا کر رکھ دیا ہو گا۔ انتونین کی وبا سے پچاس لاکھ سے ایک کروڑ تک ہلاکتیں ہوئیں۔ یہ دہشت ناک مرض اس وقت پھیلا جب رومی سلطنت اپنے عروج پر تھی۔

۱۶۵ / عیسوی سے ۱۸۰ / عیسوی تک جاری رہنے والی اس وبا نے یورپ کے بڑے حصے کو تہہ و بالا کر کے رکھ دیا۔ مشہور حکیم جالینوس اسی دور میں گزرا ہے اور اس نے مرض کی تفصیلات بیان کی ہیں، تاہم یہ واضح نہیں ہو سکا کہ یہ مرض کونسا تھا، اور اس سلسلے میں خسرہ اور چیچک دونوں کا نام لیا جاتا ہے۔ جب ہسپانوی مہم جوؤں نے براعظم امریکا پر دھاوا بولا تو اس سے انسانی تاریخ کے ایک ہولناک المیے نے جنم لیا۔

مقامی آبادی کے جسموں میں یورپی جراثیم کے خلاف کسی قسم کی مدافعت موجود نہیں تھی، اس لیے ان کی بستیوں کی بستیاں تاراج ہو گئیں۔

کورونا کی آمد نے جہاں ایک طرف عالمی معیشت، ٹیکنالوجی، سیاست اور تعلیمی نظام کو متاثر کیا ہے تو دوسری طرف اس ایک چھوٹے سے نادیدہ وائرس نے انسانی فکر و نظر، تصورات، انسانی مزاج اور زبان و ادب پر بھی گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ کورونا دور میں ادباء و شعراء اور قلمکاروں کی تخلیقات سے زبان و ادب میں ایک بڑا متنوع علمی و ادبی ذخیرہ وجود میں آ گیا ہے، جس کی اپنی مخصوص اصطلاحات ہیں، خاص استعارات و تشبیہات ہیں، مختلف پیرایۂ بیان ہے۔ چناں چہ اسے بجا طور پر ایک صنف قرار دیا جا سکتا ہے۔

ویسے تو کسی بھی بحران میں زندگی کا ہر شعبہ ہی متاثر ہوتا ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ سب سے زیادہ تبدیلی انسانی نفسیات اور روّیوں میں محسوس کی جاتی ہے اور ادبی تاریخ گواہ ہے کہ ان تبدیلیوں سے ترتیب پاتی معاشرتی صورتِ حال کو بھی ادباء و شعراء نے ہمیشہ ہی اپنی تخلیقات کا حصہ بنایا ہے کہ ادب کا بنیادی سروکار ہی انسان اور انسانیت سے ہے۔ جیسے کہا گیا ہے کہ 'دمشق میں قحط پڑا ہے، یاروں نے عشق فراموش کر دیا ہے۔ تو گویا ہمارے ادب سے اس کی بڑی گواہی ملتی ہے۔

> "خطوطِ غالب ہوں، تاجندر سنگھ بیدی کا 'قرنطینہ' یا قدرت اللہ شہاب کے 'شہاب نامہ' کا آغاز اسی طرح یورپ میں 'دی کینٹربری ٹیلز' ہو یا گارشیا مارکیز کی 'وبا کے دنوں میں محبّت' وبا میں انسانی مزاج اور فطرت پر اس کے اثرات ادب کا حصہ بنتے رہے ہیں"۔ ۷

حالیہ کووڈ ۱۹ کی وبا میں سب سے اذیت ناک احساس سائنسی دور میں انسان کی بے بسی ہے کہ جہاں پوری دنیا میں دفاعی نظام بہتر بنانے پر تمام تر توجہ مرکوز ہو اور نت نئی ایجادات کا سلسلہ جاری ہے، وہاں انسانی مدافعتی نظام میں بہتری کے لیے کوئی کام نہیں کیا گیا، حالاں کہ ڈاکٹر رونالڈ جے گلاسیر جیسے مصنفین 'وی آرناٹ امیون' جیسے مضامین لکھ رہے تھے، لہٰذا آج بھی چھوٹا سا وائرس پوری دنیا کو

جامد کر کے اس تنہائی کی طرف دھکیل سکتا ہے جہاں انسان دوسروں سے ہاتھ ملانا تو دور خود اپنا چہرہ بھی چھونے سے قاصر ہے۔

تنہائی ادب کو تحریک دیتی ہے اور ادیب کی تخلیقی صلاحیتیں بڑھا دیتی ہے, لیکن ادیب کو ملنے والی حالیہ تنہائی دراصل جبری تنہائی ہے اور شاعر و ادیب تو یوں بھی ہر جبر کے خلاف ہوتا ہے اس لیے جبری تنہائی انسان میں اکتاہٹ اور وحشت پیدا کر دیتی ہے۔ بلکہ فرانسیسی زبان میں اکتاہٹ کے لیے مستعمل لفظ کا مطلب ہی تخلیقی صلاحیت میں کمی ہے۔ لہٰذا وبا کے ابتدائی دنوں میں شاعر و ادیب بھی اس صورتِ حال پر غور و فکر کرتے اور اس سے وحشت اور اکتاہٹ کا اظہار کرتے ہوئے نظر آئے ہیں۔ کامیو سے لے کر آج تک سوچنے والے ذہنوں کے لیے سب سے اہم سوال یہی رہا ہے کہ یہ وائرس قدرت کی طرف سے ہے یا کسی تجربہ گاہ کی ایجاد۔

کورونا کے شب و روز کے پسِ منظر میں مستنصر حسین تارڑ نے 'شہر خالی, کوچہ خالی' ناول تحریر کیا تو آصف فرخی نے اپنے جذبات و احساسات کو ڈائری کی شکل دی اور 'تالا بندی کا روزنامچہ' تیار ہونے لگا، جب کہ ڈاکٹر جعفر نے کئی اقساط میں وبائی ادب کو عالمی اور اردو ادب میں تقسیم کر کے تجزیہ کیا۔

اسی طرح ۲۰۲۱ء کے آغاز میں محمد اعظم ندوی (حیدرآباد) نے کورونا سے متعلق نثری اور منظوم تخلیقات کا ایک مجموعہ "کورونائی ادب" کے نام سے ترتیب دیا, جس میں خود مرتب کی اور ہند و پاک کے دیگر کئی ادباء و شعراء کی کورونا سے متعلق دلچسپ تحریریں اور نظمیں شامل ہیں۔

> "کورونائی ادب سے متعلق یہ مجموعہ اپنی نوعیت کا منفرد کام ہے اور کورونا دور کی ایک تاریخی یادگار ہے, اس کا مقدمہ مشہور عالمِ دین اور قلمکار مولانا خالد سیف اللہ نے لکھا ہے اور مکتبۂ احسان لکھنؤ سے یہ کتاب طبع ہوئی ہے"۔ ۸

اسی طرح ایک اہم تخلیق محمد شاہد خاں کی قرنطینی یادداشتوں پر مشتمل 'کورونا مریضوں کی ڈائری' ہے۔

> "یہ ڈائری بارہ مضامین پر مشتمل ہے جن میں سے گیارہ ایک ماہ کی طبی حراست یعنی قرنطینہ کے دوران قلمبند کیے گئے اور آخری آرٹیکل قرنطینی شہریت واپس لیے جانے کے بعد لکھا گیا جو اس صبر آزما ایک ماہ کے احساسات اور تجربات کا نچوڑ ہے۔ ان مضامین کی ادبی اور دستاویزی حیثیت اپنی جگہ مسلّم ہے لیکن ان کا سماجی مرتبہ زیادہ بلند اور قابلِ احترام ہے کیوں کہ یہ مضامین جس وقت لکھے جا رہے تھے، اس یاسیت اور بے یقینی کے عالم میں ستارۂ سحری ثابت ہو رہے تھے۔ نفسیاتی خوف کی وہ چادر جو عام لوگوں کے دل و دماغ پر جاری تھی، اس ڈائری کے ہر نئے صفحے کے ساتھ اس کے دھاگے کسمسا کر ٹوٹتے جا رہے تھے"۔۹

دوسری طرف شعراء نے بھی اپنے احساسات و جذبات کو منظوم شکل دی اور ساتھ ہی ساتھ اس جبری تنہائی سے لڑنے کے لیے جدید ٹیکنالوجی کے مفید استعمال کا خیال پھیلنا شروع ہوا۔ کئی شاعروں نے یوٹیوب چینلز بنائے، کچھ فیسبک اور سوشل میڈیا پر اپنا کلام پیش کرنے لگے۔ ساتھ ہی اداروں نے بھی آن لائن مشاعروں، کانفرنسز اور سیمینارز کا انعقاد ممکن بنانے پر توجہ دی اور یوں اچھا خاصا 'کورونائی ادب' وجود میں آگیا۔ یہ ادب مختلف رسائل نے گوشوں اور نمبرز کی صورت میں شائع کر کے محفوظ دستاویز میں تبدیل کیا تو مسرت زہرا کنول نے وبا کے مختلف پہلوؤں پر غزلوں اور نظموں کا مجموعہ 'درد کی دہلیز پر' کتابی شکل میں شائع کیا جسے کورونا کا پہلا مجموعہ قرار دیا گیا۔ اس کے بعد ڈاکٹر عمران ظفر کا کورونا پہ مشتمل مزاحیہ شاعری کا ایک مجموعہ منظرِ عام پر آیا۔

اسی طرح 'لاک ڈاؤن اور ڈائری' (ادارۂ انحراف) جیسے سلسلوں کا آغاز کیا گیا جس میں ادباء و شعراء کے علاوہ دیگر لوگوں نے بھی اپنے احساسات کو تحریری شکل دی۔

> "یہ ادب نہ صرف آج بلکہ آئندہ وقتوں میں بھی وبائی صورتِ حال میں انسانی نفسیات و احساسات اور حالات کو سمجھنے میں مددگار و معاون ثابت ہو گا اور اس ادب کا تجزیہ آنے والے وقت میں ان سوالوں کا جواب بھی دے گا کہ اس جبری تنہائی اور سماجی دوریوں کو ادب نے کیسے قبول کیا۔ ممکن ہے یہ سوال سمجھنے میں کچھ اور چیزیں بھی ہمارے سامنے آ جائیں، لیکن ایسے کسی تجزیے میں ہنگامی نوعیت، فوری ردِ عمل اور صحافتی سطح کا ادب یقیناً توجہ کا مرکز نہیں بنے گا، بلکہ اُنہی تخلیقات سے مدد لی جائے گی کہ جن میں شعریت کے ساتھ گہری معنویت اور سماجی صورتِ حال کو گرفت کیا ہو گا"۔ ۱۰

سالِ رفتہ لاک ڈاؤن ہونے کی وجہ سے کتابیں بہت کم شائع ہوئیں مگر جو شائع ہوئیں اُن میں شاعری کی کتب کی تعداد زیادہ تھی۔ غزلوں کے ساتھ ساتھ نظموں اور خصوصاً نثری نظموں کے کئی مجموعے منظرِ عام پر آئے ہیں۔

ذخیرہ اندوزوں نے آفت زدہ مخلوقِ خدا کو بخشا کہ نہیں؟ موقع پرستوں تاجروں نے لوٹ مار کا بازار گرم کیا کہ نہیں؟؟ وغیرہ وغیرہ یہ سب کی سب باتیں ہمیں اچھی طرح سے معلوم ہیں لیکن آج سے سو پچاس سال بعد کے لوگوں کو ان چیزوں کا بالکل بھی علم نہیں ہو گا جب تک آج کا لکھاری اپنے جزبات و خیالات سے ان حالات کی عکس بندی نہ کرے اور اپنے قلم سے ان واقعات کی منظر کشی نہ کرے۔

ممتاز ادیب اور شاعر جناب نقش بندی قمر نقوی بخاری صاحب نے کورونا وباء اور اس کے بعد پیش آنے والی صورتحال کو ایک ناول کی شکل میں مستقبل کے قاری کے لیے محفوظ کر لیا ہے "امی مجھے گلے لگا لو" کے نام سے یہ ناول ریحان کتاب گھر اردو بازار کراچی نے شائع کیا ہے محترم ناول نگار خود تو گزشتہ چالیس سال سے امریکا میں مقیم ہیں لیکن ان کا دل اردو اور اردو والوں کے ساتھ دھڑکتا ہے انگریزوں کے دیس میں

رہ کر اردو ادب کی آبیاری میں مصروف ہیں اب تک درجنوں ناول اور متعدد علمی و ادبی تخلیقات منصہ شہود پر لا چکے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی عمر اور تخلیقی کاوشوں میں برکت نصیب فرمائے۔

کورونائی ادب کا آغاز و ارتقاء:

کورونا وائرس کی ابتداء ہوتے ہی پوری دنیا میں حیرانگی کے ساتھ ساتھ خوف، ڈر، وہم، ڈپریشن نے انسانوں کے دلوں میں ڈیرے ڈال لیے۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اپنے عزیزوں سے دور رہنا پڑا اس دوری اور تنہائی کے دور نے جہاں ایک طرف رنجش اور سنگدلی کو پروان چڑھایا ہے وہاں دوسری طرف ہمیں خیر کا پہلو بھی نظر آتا ہے بظاہر تو کورونا وائرس نہ نظر آنے والا وائرس ہے لیکن اس وائرس سے جتنی تباہی و بربادی ہوئی ہے اس نے ہمارے دماغوں میں کورونا کا گمان ایک قوی الجثہ کی صورت میں رکھا ہے کہ جو اتنا طاقت ور ہے کہ پل بھر میں زندگیاں تباہ کر دینے والا ہے۔

جہاں کورونا وائرس نے اتنی دہشت پھیلا رکھی وہیں کورونا وبا کے دنوں میں قلم کاروں نے اپنے فن کے جوہر بھی دکھائے جس وبا کی وجہ سے اپنے ہی پیاروں سے دوری نصیب ہوئی اس وبا نے ادب کو ہی بدل ڈالا۔ ادبی دنیا میں نئے طرز کے لکھاری اور نئے طرز ادب تخلیق ہونے لگا۔ وہ افسانہ ہو، ناول ہو، ڈرامہ ہو یا شاعری ادب ہر دور میں زندہ رہا ہے۔ ادیب قاری کو مایوسی و قنوطیت سے نکال کر رجائیت کی راہ پر گامزن کرتا ہے۔ دکھ، درد میں ادیب اس درد سے نئے پہلو تراشنے کے لیے ہر وقت کوشاں رہتے ہیں اور ایک ایسا وقت بھی آتا ہے کہ وہ بیماری، وہ آفت یا وہ دوری جیسے ہم پہاڑ سمجھتے ہیں ہمارے لیے گلزار بن جاتی ہے۔ ڈاکٹر رئیس احمد سعدانی اپنے کالم میں لکھتے ہیں:

> "نثر نگاروں اور کالم نگاروں نے بھی کورونا کو اپنا موضوع بنایا۔ یہی کالم نگار کی خوبی شمار کی جاتی ہے۔ کوئی شاعر ادیب، کالم نگار ایسا نہیں جس نے کورونا کو اپنا موضوع نہ بنایا ہو۔ اس لیے کہ شاعر اور کالم نگار کی نگاہ دنیا میں ہونے والے تمام سیاسی، سماجی، علمی، ادبی واقعات پر ہوتی ہے۔"[11]

ادیب اور لکھاری کی سب سے بڑی ذمہ داریہ ہوتی ہے کہ اپنے دور کے احوال مستقبل کے قاری کے لیے محفوظ کرے مستقبل کا انسان اپنے ماضی کو کتاب ہی کے ذریعے جان سکتا ہے۔ آج اگر ہم گزرے ہوئے ادوار کے بارے میں کچھ جانتے ہیں تو یہ کتاب اور لکھاری ہی کی دین ہے۔ تاریخ کے اوراق ہی ہمیں بتاتے ہیں کہ فلاں صدی میں کیاواقعہ پیش آیا تھااور اس واقعے نے سماج پر کیااثرات مرتب کیے تھے۔ ادیب اگر اپنے وقت کے اہم واقعات کو آنے والی نسلوں تک پہنچانے کی کوشش نہیں کرے گا تو یہ اس کے فرض منصبی میں بڑی کوتاہی اور خیانت شمار ہو گی۔ آنے والے لوگ آباء و اجداد سے بہت کچھ سیکھتے ہیں، ان کی غلطیوں سے سبق حاصل کرتے ہیں، اچھائیوں کو مشعل راہ بناتے ہیں، ان سے سرزد ہونے والی کوتاہیوں سے پرہیز کرتے ہیں، ان کے غلط فیصلوں کو دہرانے سے گریز اور درست فیصلوں کی پیروی کی کوشش کرتے ہیں، ماضی کے تجربات کی روشنی میں اپنے حال اور مستقبل کی نقشہ گری کرتے ہیں۔ اگر ادیب اپنے دور کے سیاسی حالات، سماجی معاملات، تمدنی رویوں، قدرتی آفات و حوادث اور لوگوں کے مزاج و عادات کو سپرد قلم نہیں کرے گا تو اگلی نسلیں ان کے بارے میں کیسے آگاہی حاصل کریں گی۔ ان کے اچھے اور برے تجربات سے کیسے سیکھنے کی کوشش کریں گی۔

زاہدہ حنا نے اپنے کالموں میں کورونا کو مختلف انداز سے اپنا موضوع بنایا اس کے کئی پہلوؤں سے کالم لکھے اور اس موضوع پر لکھنے کا عمل جاری ہے۔ کورونا کے حوالے سے زاہدہ حنا کے کالم بہت معلوماتی ہیں۔ انہوں نے اپنے کالموں میں شاعری نہیں کی بلکہ اس وباء پر بیش بہا معلومات، حقیقت پر مبنی علم فراہم کیا ہے۔ زاہدہ حنا کا کالم ۱۴-جون ۲۰۲۰ کو بعنوان: ”ہیٹی کے صدر، ٹرمپ سے زیادہ دانش مند“ کے عنوان سے لکھا۔ اپنے اس کالم کا آغاز کورونا وائرس اور پاکستان کی صورت حال سے کیا۔ انہوں نے لکھا کہ:

> "ان دنوں پاکستان مکمل طور پر کورونا وائرس کے چنگل میں پھنس چکا ہے۔ بہت سے لوگوں کا یہاں تک کہنا ہے کہ اس بات کا فیصلہ ہم نہیں کریں گے کہ کورونا کو اپنے ملک سے کب ختم کرنا ہے بلکہ یہ فیصلہ کورونا وائرس خود کرے گا کہ اسے یہاں سے کب جاتا ہے اور جاتے جاتے ہوئے ہماری

> کوتاہیوں کا کتنا جانی اور مالی تاوان وصول کرتا ہے۔ یہ مایوسی پھیلانے والی بات نہیں جب تک ہم حقیقت تسلیم نہیں کریں گے اس وقت تک قابل عمل لائحہ عمل بھی اختیار نہیں کر سکیں گے"۔ ۱۲

کورونا کے حوالے سے ہی ان کا ایک کالم بعنوان "پولنگ بوتھ بمقابلہ کورونا وائرس ۳ مئی ۲۰۲۰ء کو شائع ہوا جس میں تاریخ میں غیر معمولی ترقی کرنے والی قوم جنوبی کوریا نے کورونا پر جس تیزی اور ترتیب و ترکیب اور دانشمندی سے قابو پایا اس کی تفصیل اور انتخابات کا ذکر کیا گیا ہے۔ کورونا کے حوالے سے ایک کالم "عالمی وبا کے مثبت و منفی اثرات" کے حوالے سے ایک کالم شائع ہوا جس میں انگریزی اخبار گارجین میں لکھے گئے پیٹر بیکر کے کالم کو بنیاد بنایا گیا ہے۔ بیکر نے کورونا کے بارے میں جو باتیں کیں اس کالم میں انہیں آگے بڑھایا گیا ہے۔ اپنے موضوع پر معلوماتی کالم ہے۔ اس موضوع پر ایک اور کالم بعنوان "چین کا مشورہ مان لیا جائے" لکھا جس میں چین میں کورونا کے مرض کے آغاز کی تفصیل اور تدارک پر بات کی گئی ہے۔ زاہدہ حنا کے کالموں میں موضوع کے بارے میں معلومات بھی درج ہوتی ہیں زاہدہ حنا کا ایک اہم کالم جون المیڈا: سب سے پہلے جس نے کورونا وائرس دیکھا" موضوع پر اہم اور دلچسپ معلومات فراہم کرتا ہے۔ المیڈا کا تعلق اسکالینڈ سے تھا، کالم نگار نے لکھا المیڈا کا انتقال ۲۰۰۷ء میں ہو گیا تھا۔ اپنی زندگی میں اس نے الیکٹرانک خوردبین کے ذریعے سرمئی رنگ کے کانٹے دار ول اور انتہائی باریک وائرس کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے والی پہلی انسان تھی۔ اس کی تحقیق کے مطابق اس کی شکل سورج کے گرو نظر آنے والی روشنی کے ہائے جیسے تھی اس لیے اسے کورونا کا نام دیا گیا۔ المیڈا کے حوالے سے کالم نگار کا لکھنا ہے کہ:

> "کورونا وائرس کا پورا ایک خاندان دنیا میں موجود ہے جس میں ۵۰ کے قریب وائرس شامل ہیں لیکن ان میں سے محض ۴ یا ۵ ہی انسانوں کو ہلاک کرنے کی خطرناک صلاحیت رکھتے ہیں۔ کورونا خاندان کا جدید وائرس کووڈ ۱۹ کہلاتا ہے۔"۱۳

۲۰۲۰ء میں کورونا نامی وباء کی صورت میں دنیا پر ایک بڑی آفت نازل ہوئی۔ جس نے پورے خطہ ارضی کو اپنی لپیٹ میں لیا۔ تاحال عالم انسانیت اس کے اثرات سے نہیں نکل پائی ہے۔ ہمیں تو معلوم ہے کہ میں وباء کیسے پھوٹی، کہاں سے پھوٹی، کتنے انسانوں کو نگل گئی۔ اس کے آنے کے بعد کس طرح ایک ہنستی بستی دنیا غم کی تصویر بن گئی۔ کیسے دوڑتی بھاگتی زندگی ساکت و جامد ہو گئی۔ انسانوں کے قہقہے کیسے آہ و فغاں میں بدل گئے۔ کاروں سے اٹی سڑکیں کیسے سنسان ہوئیں۔ زندگی کا شور کس طرح سکوت شناس ہوا۔ مصروف کاروباری مراکز کو کس طرح تالے پڑ گئے۔ صنعتی سرگرمیاں کس طرح ٹھپ ہو کر رہ گئیں۔ ایک دوسرے پر جان چھڑکنے والے کیسے ایک دوسرے سے دور بھاگنے لگے۔ مسجدیں اور عبادت گاہیں کتنے عرصے تک ویران رہیں۔ کیسے شہروں میں الو بولنے لگے۔ لطیف الرحمن لطیف لکھتے ہیں کہ:

> " آفت کی گھڑی میں انسانی رویوں میں کیا تبدیلی آئی؟؟ ذخیرہ اندوزوں نے آفت زدہ انسانوں کو بخشا کہ نہیں؟ موقع پرستوں نے لوٹ مار کا بازار گرم کیا کہ نہیں؟؟ وغیرہ وغیرہ یہ ساری باتیں ہمیں بخوبی معلوم ہیں لیکن آج سے پچاس سو سال بعد کے انسانوں کو ان چیزوں کا بالکل بھی پتہ نہیں ہو گا۔ جب تک آج کا ادیب اپنے الفاظ سے ان حالات کی عکس بندی نہ کرے اور اپنے قلم سے ان واقعات کی منظر کشی نہ کرے۔ "۱۴

ممتاز شاعر و ادیب جناب نقش بند قمر نقوی بخاری صاحب نے کورونا اور اس کے بعد پیش آنے والی صورت حال کو ایک ناول کی صورت میں مستقبل کے قاری کے لیے محفوظ کر لیا ہے "امی مجھے گلے لگالو" کے نام سے یہ ناول ریحان کتاب گھر اردو بازار کراچی نے شائع کیا ہے۔ محترم ناول نگار خود تو گزشتہ چالیس سال سے امریکا میں مقیم ہیں لیکن ان کا دل اردو اور اردو والوں کے ساتھ دھڑکتا ہے۔ انگریزوں کے دیس میں رہ کر اردو ادب کی آبیاری میں مصروف ہیں۔ اب تک درجنوں ناول اور متعدد علمی و ادبی تخلیقات منصب شہود پر لا چکے ہیں اللہ تعالی ان کی عمر اور تخلیقی کاوشوں میں برکت نصیب فرمائے۔

اس طرح ہر ادیب نے اپنے کورونائی ادب کے حوالے سے اپنے جوہر دکھائے اور مستقبل کے قاری کے لیے نئے ادب کو محفوظ بنانے کے لیے ادبی تحریریں لکھیں۔ اسی طرح دور جدید کے ادیب مستنصر حسین تارڑ صاحب نے اپنے قلمی حسن کو زیب قرطاس کیا ہے۔ انہوں نے ”شہر خالی، کوچہ خالی (کورونا کے شب و روز۔۔۔ ایک ناول لکھا ہے۔ جو ۲۱۶ صفحات پر مشتمل ہے جسے سنگ میل پبلیشر نے شائع کیا ہے۔ ناول ڈائری کے انداز میں لکھا گیا ہے۔ لیکن تاریخ نہیں لکھی گئی ہے۔ مرکزی کردار مصنف خود ہیں اور اس نے لاک ڈاؤن میں شب و روز گزارے اس کا احوال درج کیا۔ خوف، تنہائی، اور موت خاص کر کورونا کی وجہ سے موت اس ناول کا مرکزی خیال ہے۔

ویسے تو کسی بھی بحران میں زندگی کا ہر شعبہ ہی متاثر ہوتا ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ سب سے زیادہ تبدیلی انسانی نفسیات اور رویوں میں محسوس کی جاتی ہے اور ادبی تاریخ گواہ ہے کہ ان تبدیلیوں سے ترتیب پاتی معاشرتی صورت حال کو بھی ادباء و شعراء نے ہمیشہ ہی اپنی تخلیقات کا حصہ بنایا ہے کہ ادب کا بنیادی سروکار ہی انسان اور انسانیت سے ہے۔ کلیم الدین احمد اپنی کتاب ”تحلیل نفسی اور ادبی تنقید“ جسے ممتاز احمد نے ترجمہ کیا ہے اس میں لکھتے ہیں:

> "یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ تحلیل نفسی ان عوامل کو آشکار کر سکتی ہے جو ایک انسان کو فنی اعتبار سے موجد بناتے ہیں۔"۱۵

حالیہ کووڈ ۱۹ کی وباء میں سب سے اذیت ناک احساس سائنسی دور میں انسان کی بے بسی ہے کہ جہاں پوری دنیا میں دفاعی نظام بہتر بنانے پر تمام تر توجہ مرکوز اور نت نئی ایجادات کا سلسلہ جاری ہے، وہاں انسانی مدافعتی نظام میں بہتری کے لیے کوئی کام نہیں کیا گیا، حالاں کہ ڈاکٹر رونالڈ جے گلاسیر جیسے مصنفین ”وی آر ناٹ امیون“ جیسے مضامین لکھ رہے تھے، لہذا آج بھی چھوٹا سا وائرس جو، لہذا آج بھی چھوٹا سا وائرس جو ایک خطے سے اٹھتے ہی پوری دنیا کو جامد کر کے اس تنہائی کی طرف دھکیل سکتا ہے، جہاں انسان دوسروں سے ہاتھ ملانا تو دور، خود اپنا چہرہ بھی چھونے سے قاصر ہے۔

> "رپورٹ کے مطابق اس وائرس کے اثرات اقوام متحدہ کے پائیدار ترقی سے
> متعلق ادارے کے ۲۰۳۰ء تک غربت ختم کرنے کے ہدف کے لیے ایک
> بڑا چیلنج ہو گا"۔ ۱۶

عالمی رپورٹ کے مطابق کورونا نے معاشی تباہی کا آغاز کرتے ہوئے انسانیت کو مفلوج کر دیا ہے۔

- **کورونائی ادب کے نمائندہ موضوعات اور پیش کش:**

یہ حقیقت ہے کہ تنہائی ادب کو تحریک دیتی ہے اور ادیب کی تخلیقی صلاحیتیں کو ہوا دیتی ہے، لیکن ادیب کو ملنے والی حالیہ تنہائی دراصل جبری تنہائی ہے اور شاعر و ادیب تو یوں بھی ہر جبر کے خلاف ہوتا ہے، اس لیے جبری تنہائی انسان میں اکتاہٹ اور وحشت پیدا کر دیتی ہے، بلکہ فرانسیسی زبان میں اکتاہٹ کے لیے مستعمل لفظ کا مطلب ہی تخلیقی صلاحیت میں کمی ہے۔ لہٰذا، وبا کے ابتدائی دنوں میں شاعر و ادیب بھی اسی صورت حال پر غور کرتے اور اس سے وحشت اور اکتاہٹ کا اظہار کرتے نظر آئے سوچنے سمجھنے والے ذہنوں کے لیے سب سے اہم سوال یہی رہا ہے کہ یہ وائرس قدرت کی طرف سے ہے یا کسی تجربہ گاہ کی ایجاد۔ کورونا کے شب و روز کے پس منظر میں مستنصر حسین تارڑ نے "شہر خالی، کوچہ خالی" تحریر کیا، تو آصف فرخی نے اپنے جذبات و احساسات کو ڈائری کی شکل دی اور " تالا بندی کا روزنامچہ " تحریر ہونے لگا، جب کہ ڈاکٹر جعفر نے کئی اقساط میں وبائی ادب کو عالمی اور اردو ادب میں تقسیم کر کے تجزیہ کیا، محمد طاہر اشتیاق نے ایک ناول "کیا کورونا کچھ نہیں ؟" کے نام سے تحریر کیا، محمد طاہر اشتیاق ادب میں ایک نیا نام ہے جو اپنی تحریروں سے معاشرے میں تبدیلی لانا چاہتے ہیں۔

دوسری طرف شعراء نے بھی اپنے احساسات و جذبات کو منظوم شکل دی اور دیکھتے ہی دیکھتے اس جبری تنہائی سے لڑنے کے لیے جدید ٹیکنالوجی کے مفید استعمال کا خیال پھیلنا شروع ہوا۔ کئی شاعروں اور ادیبوں نے یوٹیوب چینلز بنائے، کچھ فیس بک اور سوشل میڈیا پر اپنا کلام پیش کرنے لگے۔ شعراء اور ادیب حضرات جہاں روزانہ ادبی محافل میں بالمشافہ ملاقات کیا کرتے تھے اب کورونا وائرس کی وجہ سے گھروں تک

ہی محدود ہو گئے لیکن اس کا سب سے زیادہ فائدہ سوشل میڈیا کو ہوا اور تمام ستارے گروپس اور چینلز کی شکل میں اپنا پیغام / کلام قاری تک پہنچاتے رہے۔ اداروں نے بھی آن لائن مشاعروں، کانفرنسز اور سیمینارز کا انعقاد ممکن بنانے پر توجہ دی اور یوں اچھا خاصا کورونائی ادب وجود میں آگیا۔ یہ ادب مختلف رسالوں نے گوشوں اور نمبرز کی صورت شائع کر کے محفوظ دستاویز میں تبدیل کیا۔

وبا کے اس طویل دورانیے میں اردو زبان میں جہاں اس موضوع پر معلوماتی اور تحقیقی مضامین تحریر کیے گئے وہیں شعر و ادب پر بھی اس وبا کا شدید حملہ ہوا۔ ہمارے دوست اور بھائی پروفیسر ڈاکٹر شاہد رفیع نے تو کورونائی ادب کے نام سے اچھا خاصا ذخیرہ انتخاب بھی کر لیا ہے۔

> "جیسے جیسے وبا کے اثرات بڑھتے گئے تخلیق کار بھی اپنے جوہر دکھاتے گئے۔ اتر پردیش کے میرٹھ میں چودھری چرن سنگھ یونیورسٹی کے شعبہ اردو Department of Urdu, Chaudhry Charan Singh University کے زیر اہتمام منعقدہ ایک تقریب میں اے رحمن کی تالیف کردہ کتاب ”کورونائی ادب کا اجرا عمل میں آیا۔ جس میں اردو سہ ماہی میگزین عالمی جائزہ کے خاص شمارے کا اجراء عمل میں لایا گیا۔ کورونائی ادب کے عنوان سے شائع کیے گئے اس شمارے میں کورونا کے منظر کو مختلف ادیبوں نے اپنی تخلیق کے ذریعے کورونا وبا کے ماحول کو اپنی تخلیقات کے ذریعے بتانے کی کوشش کی ہے"۱۷

کورونا وائرس نے پورے جہاں کو متاثر کیا ہے۔ انسانی زندگی کا ہر شعبہ اس کی زد میں آیا ہے۔ ادیبوں شاعروں، اور صحافیوں نے اس وبا کے اثرات کو اپنی تخلیقات و نگارشات کا موضوع بنایا۔

گزشتہ ڈیڑھ دو سال کے عرصے میں بے شمار ناول، افسانے اور ادبی و صحافتی تحریریں لکھی گئیں۔ اس سلسلے میں عبد الرحمن ایڈوکیٹ مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انھوں نے کورونا وبا کے زیر اثر لکھی گئی بہت سی تحریروں اور تخلیقات کو یکجا کر کے کتابی سلسلہ عالمی جائزہ کا عالمیوبا نمبر شائع کیا۔ جیسے جیسے وقت بڑھتا جائے گا،

اس نمبر کی اہمیت وافادیت میں بھی اضافہ ہو تا جائے گا۔ پروفیسر ابنکنول نے اے رحمن کو مبارکباد دیتے ہوئے کہا:

> "عبدالرحمن ایڈوکیٹ نے ایک اہم موضوع پر ایک ضخیم نمبر مرتب کر کے اہم کارنامہ انجام دیا ہے۔ اس نمبر میں کورونا جیسی عالمی وبا کے نتیجے میں پیش آنے والے مسائل کا احاطہ کیا گیا اور ادیبوں و صحافیوں کی تخلیقات اور تحریریں شائع کی گئی ہیں"۔ ١٨

یہ عالمی نمبر تعریف اور صد ستائش کا حامل تھا ہر تخلیق کار اس عالمی نمبر کی تعریف کیے بغیر نہیں رہ سکا۔ اس طرح جواہر لعل نہرو یونیورسٹی کے پروفیسر اخلاق آہن نے کہا:

> "وباؤں کی تاریخ بہت طویل ہے۔ مختلف زمانوں میں مختلف قسم کی وبائیں آئیں اور بڑے پیمانے پر جانی ومالی نقصانات ہوئے لیکن ان کی تفصیلات مہیا نہیں ہیں، لیکن گزشتہ دنوں کوروناوائرس جیسی عالمی وبا کے حوالے سے بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ اس حوالے سے عبد الرحمن صاحب کا مرتب کردہ رسالہ 'عالمی وبا نمبر' بہت اہمیت کا حامل ہے۔ یہ آنے والی نسلوں کے لیے ایک مفید دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے"۔ ١٩

اس طرح اور بھی بہت سارے ادیبوں اور شعراء نے اس عالمی نمبر کی تحسین کرتے ہوئے اپنی اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ عالمی وبا نمبر ان کے کارناموں میں سے ایک ہے۔ جس وسیع پیمانہ پر وہ کام کر رہے ہیں، اسے سراہا جانا چاہیے۔

اسی طرح لاک ڈاؤن اور ڈائری” (ادارہ انحراف) جیسے سلسلوں کا آغاز کیا گیا، جس میں ادباء و شعراء کے علاوہ دیگر لوگوں نے بھی اپنے احساسات کو تحریری شکل دی۔ یہ ادب نہ صرف آج، بلکہ آئندہ وقتوں میں بھی وبائی صورت حال میں انسانی نفسیات، احساسات اور حالات کو سمجھنے میں مددگار ثابت ہو گا اور اس ادب کا تجزیہ آنے والے وقت میں ان سوالوں کا جواب بھی دے گا کہ اس جبری تنہائی اور سماجی دوریوں کو

ادب نے کیسے قبول کیا۔ ممکن ہے یہ سوال سمجھنے میں کچھ اور چیزیں بھی ہمارے سامنے آجائیں، لیکن ایسے کسی تجربے میں ہنگامی نوعیت، فوری ردعمل اور صحافتی سطح کا ادب یقینا توجہ کا مرکز نہیں بنے گا، بلکہ انہی تخلیقات سے مدد لی جائے گی کہ جن میں شعریت کے ساتھ گہری معنویت اور سماجی صورت حال کو گرفت کیا ہوگا۔

سالِ رفتہ لاک ڈاؤن کے سبب کتابیں کم شائع ہوئیں، مگر جو ہوئیں، ان میں شاعری کی کتب کی تعداو زیادہ تھی۔ غزلوں کے ساتھ ساتھ نظموں اور خصوصاً نثری نظموں کے کئی مجموعے منظر عام پر آئے۔ اس کے علاوہ افسانوں کے بے شمار مجموعے منظر عام پر آئے۔ تالا بندی کی وجہ سے ادبی جرائد تاخیر اور تعطل کا شکار رہے، جب کہ کچھ جرائد نے وبا کے ادب کو خاص جگہ دی، جن میں " دنیازاد "، وبا" نمبر (شمارہ:۴۹) سب سے اہم ہے۔

کورونائی ادب جس تیزی سے سرعت کے ساتھ لکھا جارہا ہے، یہ بذات خود ایک حیرت انگیز معاملہ ہے۔ اگرچہ افسانہ نگاری میں جو صورت حال دیکھنے میں آئی ہے وہ خال خال ہی ہے۔ مطلب کہ کورونائی ادب کے حوالے سے ابھی کم افسانے ہی لکھے گئے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ناول نگاری پر بھی کام جاری ہے۔

کورونائی ادب اور خوف کا اظہار:

کورونا ایک ناگہانی آفت کے طور پر دنیا پر نازل ہوا۔ چین سے شروع ہونے والی وبا نے پوری دنیا کو لپیٹ میں لے لیا۔ اس کی روک تھام کے لیے WHO نے اقدامات کئے اس کو اور پوری دنیا نے اپنایا۔ پاکستان کی دیگر عوام کی طرح اردو ادیب کے لیے یہ صورتحال بالکل نئی تھی۔ جس نے اسے شدید حیرت اور خوف میں مبتلا کر دیا۔ ابتدائی لاک ڈاؤن نے اسے ساکت کر دیا جیسے جیسے وقت گزرا تو کورونا اور اس سے پیدا ہونے والی صورتحال کو اپنی تخلیق کا حصہ بنایا۔ لیکن اردو کے صرف چند ادیب ہی اس کار خیر میں شامل ہو سکے۔ اردو ادباء کا کورونا کے حوالے سے تخلیقی تجربہ نہایت محدود رہا۔ اسکی بنیادی وجہ معلومات کا ذریعہ وہی تھا جو عام عوام کا تھا اور گھر میں نظر بند ہونے کی وجہ سے اس کا مشاہدہ نہایت محدود تھا۔ بنیادی طور پر صحافت کے سہارے تخلیقی تجربہ کیا گیا جو نہایت محدود رہا۔

کورونا کو جب ریاستی سطح پر ملک پر نافذ کیا گیا ملک میں ایک ہنگامی صورتحال پیدا ہو گئی۔ ابتدائی دنوں میں اردو ادباء اس منفرد صورتحال کو سمجھنے سے قاصر رہے۔ ۲۰ دن سے شروع ہونے والا لاک ڈاؤن جب چھ ماہ سے زائد ہو گیا تو اس کے اثرات انسانی زندگی معیشت، سماج، مذہب اور انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی پر بڑے واضح اثرات نمایاں ہو گئے۔

موت سے بڑی اور تسلیم شدہ حقیقت اور کیا ہو سکتی ہے۔ موت برحق ہے، اسے جھٹلایا نہیں جا سکتا، دنیا کا کوئی انسان بھی اس صداقت سے انکار نہیں کر سکتا۔ لیکن تحلیل نفسی نے دیگر معاملات کی طرح ہمارے ذہن سے اس خیال کو بھی جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا ہے۔ نفسی نے ہمیں بتایا کہ ہم موت کے تصور سے نہ صرف نفرت کرتے ہیں بلکہ ہمارا لاشعور تو سرے سے اسے تسلیم ہی نہیں کرتا۔ سگمنڈ فرائڈ کے مضامین نامی کتاب جسے ڈاکٹر ثوبیہ طاہر نے ترجمہ کیا ہے میں لکھتی ہیں:

> "ہم موت کا تذکرہ بھی خوشیا پسندیدگی سے نہیں کرتے، موت کے مفروضے کے ساتھ بھی ”خدانخواستہ“ اور ”خاکم بدہن“ جیسے الفاظ استعمال کرتے ہیں"۔ ۲۰

۲۰۲۰ء وبا کا سال تھا اور اس کے آگے اقوام عالم بے بس نظر آئیں۔ اس لیے کہ انسانی مقدرت اور اختیار میں جو کچھ ہے، اس حساب سے تو یہ ڈٹ کر مقابلہ کیا جا رہا ہے، اگر نہ کیا جاتا، تو شاید اموات کی تعداد بھی کئی گنا زیادہ ہوتی۔ لیکن حقیقت یہی ہے کہ انسانی زندگیسے بڑھ کر کچھ نہیں اور انسان اشرف المخلوقات ہے، جو اپنے اشرف ہونے کا اظہار کسی نہ کسی طور کرتا ہی رہتا ہے، جیسا کہ سال نو سے قبل ہی مہلک وائرس کے خلاف موثر ویکسین تیار کر لی گئی۔ نیز، سخت ترین وبائی ایام میں بھی زندگی سے مایوسی کا اظہار کیا گیا اور نہ ہی زندگی کا احساس دیتی علمی و ادبی سرگرمیوں سے مکمل طور پر کنارہ کشی اختیار کی گئی۔

مارچ ۲۰۲۰ء کے وسط تک تو کورونا نے شدت اختیار نہیں کی تھی، لہذا ادبی تقریبات، سیمینارز اور مشاعرے ملک بھر میں منعقد ہوتے ہی رہے۔ جرائد و کتب کی اشاعت کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ تاہم، ۱۵ مارچ

سے عوامی تقریبات پر پابندی اور لاک ڈاؤن نے کچھ عرصے کے لیے ادبی دنیا پر بھی جمود طاری کیا۔ سماجی سر گرمیاں بند ہوئیں، تو ایک بحرانی صورت حال پیدا ہو گئی۔

کورونا کے باعث اموات نے عالمی سطح پر ایک ہنگامی صورتحال پیدا کر دی۔ یہ وباء چونکہ علمی تھی اس لیے پوری دنیا میں تشویش اور خوف پیدا ہو گیا۔ کورونا کی وجوہات نامعلوم ہونے کے باعث اور موت کے خوف نے عجیب صورتحال پیدا کر دی۔ معیشت پر اسکے اثرات نہایت بدترین ثابت ہوئے۔ بے روزگاری کی شرح میں اضافہ ہوا۔ عوام کا معاشی دائرہ ٹوٹنے کے باعث نہایت مشکل کا شکار ہوا۔

کورونا کے باعث سماجی اجتماع معطل ہو کے رہ گیا اور لوگ گھروں تک محدود رہ گئے۔ کورونا کو ابتدائی طور پر لوگوں نے مذاق کے طور پر لیا لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جب اس کی شدت میں اضافہ ہوا اور حالات کی سنگینی کا اندازہ ہوا تو پہلا تاثر جو ابھرا وہ خوف کا تھا۔ اپنی جان کا خوف، اپنے پیاروں کی جان کا خوف اور معاشرے میں وباء کے باعث ہونے والی اموات کا خوف، مایوسی کے اثرات، مستقبل کے معاشی اندیشے وباء کے شکار ہونے کے باعث معاشرے سے کٹ جانے کا خوف۔ اس خوف کی وجہ سے انسان کو بنیادی طور پر کچھ نئے تجربات سے آشنائی ملی ہے، جن میں:

- کورونا کے باعث ہونے والی موت کا دوسری بیماریوں سے موازنہ اور مقابلہ۔
- کورونا کے باعث مرنے والے کا الگ جنازے کا اہتمام اور لاش کو ورثاء کے حوالے نہ کرنے کا انتظام۔
- طبی شعبے کی خدمات اور غفلت۔
- گھر میں بے زاری سے قرار
- سماجی تعلق میں دراڑ

ایک ادیب معاشرے سے کٹ کر نہیں جی سکتا۔ وہ اپنے ماحول، تہذیب و تمدن اور امکانات سے گہری وابستگی رکھتا ہے۔ وہ کسی ایک دائرے کا قیدی بھی نہیں ہو سکتا۔ خوف کے متعلق خاور چودھری لکھتے ہیں:

> "اس وقت پوری دنیا سراسیمگی کے عالم میں ہے۔ ایک عجیب سا خوف اور
> اندوہناک مرحلہ ہے، جس سے ہر ایک ہراساں دکھائی دیتا ہے۔ زندگی اور

> اس کے متعلقات پر جمود سا طاری ہے۔ ایسے میں انسان کی داخلی زندگی میں اٹھنے والا جوار بھاٹا شدید طوفانوں کا پیش خیمہ ثابت ہوا کرتا ہے۔ ایک ادیب کی حیثیت میں، مجھے بھی ان مرحلوں سے گزرنا پڑا ہے۔" ۲۱

اب ہم ایک ایسے دور سے گزر رہے ہیں، لگتا ہے کہ موت ایک عقاب کی مانند ہمارے درمیان سے اپنوں کو ایک جھٹے میں لے جاتی ہے اور ہم بے بس ہیں۔ کتنے ہی ادیبوں اور نامور شعرائے کرام کو ہم نے اس جان لیوا وبا کورونا کی وجہ سے کھو دیا۔ دل افسردہ ہے اور ذہن سوالات سے محصور۔ ڈر اور دکھ میں ڈوبے معاشرے میں ادب کا کوئی رول، کوئی اہمیت ہے بھیا نہیں؟ یہ وقت لکھنے پڑھنے کا ہے بھیا نہیں؟ کورونا کے علاوہ کسی اور موضوع پر بات کرنا کیا مناسب ہو گا؟ ایسے عتاب اور خدائی قہر والے ماحول میں تخلیق کے کیا معانی ہیں؟ کیا مقاصد ہیں؟۔

بقول منشی پریم چند:

> "ہر ایک قوم کا علم و ادب اپنے زمانے کی سچی تصویر ہوتی ہے۔ جو خیالات قومکے دماغ میں گونجتے ہیں اور جو جذبات قوم کے دلوں میں گھر کرتے ہیں، وہی نظم و نثر کے صفحات میں ایسے واضح نظر آتے ہیں جیسے آئینے میں صورت"۔ ۲۲

یہ سطور منشی پریم چند نے اردو کہانی کے اپنے پہلے مجموعہ "سوز وطن" کے پیش لفظ میں قلمبند کی تھیں۔ ماضی قریب کے کئی مشکل دور اور ان کے ادب کے بارے میں سرسری مطالعہ سے ہی یہ واضح تھا کہ جنگ ہو، ملک تقسیم ہوں، دنگے فساد ہو یا وبا، المیہ بڑے ادب کو جنم دیتا ہے۔ ادب انسانی جذبات اور انسانیت کو پہچانے کا ایک ذریعہ ہے اور لکھنا ضروری ہے کیوں کہ ہر دور کی طرح اس دور کی بھی بات درج ہونی چاہیے۔ بیسویں صدی کے ابتدائی سالوں میں برپا پلیگ پر مبنی البئر کامو کی مشہور ناول "دی پلیگ" میں ہمارے دل و دماغ میں رینگ رہے چوہوں کی عکاسی کی گئی، یوں جیسے آج کے ہندوستان کی بات ہو رہی ہو۔ مشہور ادیب

راجندر سنگھ بیدی نے بھی ۱۹۴۰ء میں پلیگ پر ایک کہانی لکھی تھی "کور نشین" جسے آج کورونا کے پس منظر میں ایک بار پھر پڑھنا چاہیے۔ لکھتے ہیں:

> " پلیگ تو خوفناک تھا ہی، مگر کور نشین اس سے بھی زیادہ۔ لوگ پلیگ سے
> اتنے حیران و پریشان نہیں تھے جتنے کورنٹین سے۔"۲۳

یوں ادب کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو سوال یہ بھی ہے کہ کیا کچھ نہیں بدلا؟ طور طریقے تو ہر گز نہیں بدلے۔ انسانی جذبات و احساسات بھی نہیں۔ ہاں بدلا ہے تو یہ کہ تیز رفتار انٹرنیٹ کے سبب اب ہر کوئی اپنی تخلیق کو طشت از بام کر رہا ہے۔ ادب، ایک لحاظ سے مشترکہ اور عام فہم ہو رہا ہے اور با آسانی لوگوں تک پہنچ رہا ہے۔ اظہار کا ایک راستہ سامنے آیا۔ سوشل میڈیا، سیمینار، لائیو مشاعرے وغیرہ۔ اور سب جگہ حالات حاضرہ پر گفتگو ہوتی ہے۔

غور طلب ہے کہ المیہ چاہے جو ہو، اور چاہے کوئی بھی ہو، جو لافانی قدر میں ادب میں جگہ پاتی ہیں وہ آج بھی وہی ہیں۔ اور اس میں آج کے ٹی وی اور سوشل میڈیا پر رائج عام آدمی کی تخلیق بھی شامل ہے۔ دور حاضر کے ادب میں غم جاناں اور غم دوراں ہم قدم نظر آتے ہیں۔

ویکسین لگوانے سے مرنے کا ڈر:

دنیا کے مشہور ماہر وائرولوجسٹ اور ہیومن امیونو وارئس (HIV) کی دریافت کے لیے میڈیسن میں ۲۰۰۸ء کا نوبل انعام حاصل کرنے والے Luc Montagnier نے دعویٰ کیا ہے:

> "تمام کورونا ویکسین لینے والے افراد دو سال کے اندر مر جائیں گے۔"۲۴

فرانسیسی ماہر وائرولوجسٹ مونٹاگنیئر نے جب ۲۵ مئی کو ایک انٹرویو میں اس بات کی وضاحت کی کہ کورونا وائرس سے بچنے کے لیے جو ویکسین استعمال کروائی جارہی ہے دراصل یہی ویکسین انسان کی موت کا باعث ہے۔ اس کے بیان کے مطابق تمام ویکسی نیٹڈ اشخاص لقمہ اجل بن جائیں گے۔ اس کی یہ خبر جنگل میں

آگ طرح پھیلی اور خواندہ ناخواندہ شخص نے ویکسین سے بچنے کے لیے اس خبر کو سچ تسلیم کیا۔ جبکہ ایسا کچھ بھی نہیں ہے اگر یہ حقیقت ہوتی آج تقریبا ایک تہائی لوگ قبرستان میں منتقل ہو چکے ہوتے۔

حوالہ جات

۱. سلیم اختر، ڈاکٹر، نفسیاتی تنقید، ص۵۷،۵۸۔

۲. ایضاً

۳. ایضاً

۴. ایضاً

۵. یاسر جواد، موت کی تاریخ، ص۱۷۷،۱۷۶

۶. https://www.facebook.com

۷. صفیہ عباد، ڈاکٹر، راگ رت، خواہش مرگ اور تنہا پھول، نیشنل بک فاؤنڈیشن، طبع دوم، مئی ۲۰۲۰ء، ص۱۹

۸. Prevention#۱۹https://en.wikipedia.org/wiki/COVID-

۹. ایضاً

۱۰. ایضاً

۱۱. ایضاً

۱۲. ۱۲/۲۸/۲۰۲۱, Time: ۱۱:۴۸ AM /https://hamariweb.com/articles

۱۳. زاہدہ حنا، کالم، جنگ نیوز اسلام آباد، ۱۴ / جون ۲۰۲۰

۱۴. ۱۲/۲۸/۲۰۲۱, Time: ۱۲:۰۵ PM /https://hamariweb.com/articles

۱۵. ۱۲/۲۸/۲۰۲۱, Time: ۱۲:۲۵PM www.google.com

۱۶. کلیم الدین احمد تحلیل نفسی اور ادبی تنقید، مترجم ممتاز احمد، لبرٹی آرٹ پریس، نئی دہلی ۱۹۹۰ء ص۱۸

۱۷. ۱۲/۲۸/۲۰۲۱,Time: ۱۲:۲۱ PM –https://www.bbc.com/urdu/world

۱۸. https://m.dailyhunt.in/news/india/urdu/qindeel-epaper۱۲/۲۷/۲۰۲۱,Time: ۰۲:۲۹ PM qindel/ +-newsid

۱۹. http://m.dailyhunt.in/news/india/urdu/qindeel e paper۱۲/۲۷/۲۰۲۱- Time: ۰۲:۳۸ PM qindel/ +-newsid

۲۰. https://m.dailyhunt.in/news/india/qindeel-epaper۱۲/۲۷/۲۰۲۱Time: ۰۲:۵۰ PM qindel/ +-newsid

۲۱. سگمنڈ فرائڈ، فرائڈ کے مضامین، مترجمہ، ثوبیہ طاہر، ڈاکٹر، نگارشات پبلشرز، ۲۰۱۷ء، ص ۲۵

۲۲. خاور چودھری، طلسم کہن، مطبع سلیم نواز پرنٹنگ پریس، اشاعت اپریل ۲۰۲۰ء، ص ۱۳

۲۳. https://www.dw.com/ur/ PM ۰۴:۳۴ Time: ۱۲/۲۷/۲۰۲۱

۲۴. ایضاً، ۱۲/۲۷/۲۰۲۱ PM ۰۴:۴۰ Time:

۲۵. مونٹا گنیئر وائرولوجسٹ، ۲۵ مئی ۲۰۲۱، نوائے وقت

باب سوم:

اُردو کورونائی نثر اور نفسیاتی ہیجان و خوف

- اردو نثر کی نمائندہ اصناف اور کورونائی پیش کش
- ناول
- افسانہ
- اُردو نثر کی نمائندہ کورونائی نثر نگار
- کورونائی نثر اور وبائی خوف

باب سوم

ایک وائرس نے پوری دنیا کو روک کر رکھ دیا، یہ الگ بات ہے کہ ہم فخر کرتے رہیں کہ انسان نے چاند کو تسخیر کر لیا اور مریخ پر پہنچ گیا ہے۔ لیکن کورونا نے پاکستان سمیت دنیا بھر میں ہر ایک کو اپنے گھر تک محدود رہنے پر مجبور کر دیا ہے۔ عام شاہراہیں ویران اور گلیاں کوچے سنسان ہیں۔ بازاروں میں سناٹا اور راستوں پر خاموشی کا راج ہے۔ اس جبری فرصت اور تنہائی میں (لاکڈاؤن) کو جھیلنے کے لیے، اپنے اپنے گھروں میں محصور افراد نے اپنی اپنی دلچسپی کے مطابق مصروفیات ڈھونڈ لی ہیں۔ کسی نے خود کو سوشل میڈیا کے جنگل میں گم کر لیا، تو کوئی فلمیں اور ڈرامے دیکھ رہا ہے، کسی نے کتابوں کے مطالعے میں اپنا دل لگا لیا تو کوئی اپنی تخلیقی دنیا میں ہر پل مصروف ہے۔ الغرض ہر کسی نے اپنے مزاج کے مطابق مشاغل بھی ڈھونڈ لیے۔" تقریبا ۶۰، ۷۰ برس قبل لکھے گئے راہی معصوم رضا کے یہ الفاظ جیسے دور حاضر کا بیان ہو وہ لکھتی ہیں:

> "قصیدے، غزل، نظم، مرثیہ، طنز اور احتجاج کی منازل سے گزرتا ہوا اردو ادب اب شہر آشوب پر آ کر ٹھہر سا گیا ہے۔ شہر آشوب یعنی ایک فرد کا نہیں بلکہ سارے شہر کا مرثیہ اور اس عہد میں تو سارے ہندوستان، سارے عالم کا مرثیہ جس میں بیچارگی، بے بسی، بے کیفی، ڈر، دہشت، وحشت اور درد جیسے احساس۔[۱]

اچانک مسلط ہو جانے والی اس جبری فرصت میں پاکستان کے ادیب اور شعرا کیا کر رہے ہیں اور کس طرح انہوں نے خود کو مشغول رکھنے کی کوشش کی۔ ان ادیبوں کی فہرست جنہوں نے کورونا کے دنوں میں تخلیقی جوہر دکھائے اسے کورونائی ادب سے یاد کیا جاتا ہے اور قاری کے لیے اس دہائی میں نیا کورونائی ادب تخلیق ہو گیا۔ تخلیق کار ذہن ہمیشہ سے ہی تخلیق کار ہوتے ہیں اور وہ کسی نہ کسی فکر میں مصروف رہتے ہیں۔ وہ

وقت کے ساتھ ساتھ اپنے آپ کو ڈھالتے چلے جاتے ہیں۔ بڑے لوگ مشکل وقت میں بھی غیر معمولی برتاؤ اختیار کرتے ہیں۔

اُردو ادب میں ادوار یا عہد کی بنیاد پر بات کی جاتی ہے کہ وہ فلاں شاعر کا دور تھا، یا وہ عہد فلاں ادیب کا تھا، وغیرہ وغیرہ لیکن ابھی ہم اردو ادب کے جس عہد سے گزر رہے ہیں یہ کورونا کا عہد ہے، جس میں کئی کہانیاں، مکالمے اور شاعری تخلیق ہو گی اور اس عہد کو (کورونا) کے نام سے یاد رکھا جائے گا۔

۲۰۲۰ء میں کورونا کے سبب دیگر شعبہ ہائے زندگی کی طرح ادب بھی متاثر تو ہوا، لیکن صرف محافل کے انعقاد کی حد تک کہ کورونا وائرس کے حوالے سے لاتعداد نظمیں اور کہانیاں بہر حال لکھی گئیں۔ پھر وبا کے موضوع پر تواتر سے کالم بھی لکھے گئے اور وبائی صورت حال کی ڈراموں میں عکاسی بھی کی گئی۔ جیسا کہ آصف فرخی مرحوم کے مرتب کردہ "دنیازاد کا" وبائی ادب نمبر" منظر عام پر آیا۔ شکیل رشید عالمی وبائی نمبر کے مدیر اے۔ رحمان کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "اگر مجھ سے کوئی کہے کہ اے رحمان کی شخصیت کا تعارف ایک جملے میں کریں، تو میں کہوں گا ایک ایسی شخصیت جو بڑا کام، نام و نمود کی خواہش کے بغیر کرتی ہے۔ کیا ان کی ادارت میں شائع ہونے والے پرچے عالمی جائزہ کے عالمی وبا نمبر کو معمولی کام کہا جا سکتا ہے؟ نہیں، یہ ایک بڑا کام ہے۔ لکھنے والوں کی ایک پوری انجمن انہوں نے سجالی ہے۔"[۲]

عموماً کہا جاتا ہے کہ الیکٹرانک میڈیا اور سوشل میڈیا کی برق رفتاری نے لوگوں کو ادب اور کتاب سے دور کر دیا ہے، لیکن سال گزشتہ یہ بات ثابت ہو گئی کہ آج بھی کتاب کو خاصی اہمیت حاصل ہے۔ بلکہ ہمارا تو خیال ہے کہ کورونائی ایام میں کتب بین افراد کی تعداد میں خاصا اضافہ ہوا کہ لاک ڈاؤن کے بعد اردو بازار، کراچی میں پاؤں دھرنے کی جگہ نہیں تھی۔ ہر دکان میں کتابیں خریدنے والوں کا ہجوم نظر آیا۔ کہا جاتا ہے کہ کوئی بھی معاشرہ کتاب سے تعلق جوڑے بغیر ترقی نہیں کر سکتا تو کورونا وائرس نے ہمارے معاشرے میں کتب بینی کا رجحان پھر سے زندہ کر دیا، اب لوگ دوبارہ سے کتاب سے رابطہ استوار کر رہے ہیں۔ ہمارا ماضی،

حال کا آئینہ ہے اور مستقبل فکر آئندہ کی اساس۔ ہم اپنے ماضی کو فراموش کر کے حال کو کیسے تاب ناک بناسکتے ہیں۔ اگر لمحہ موجود اپنی گرفت میں رکھیں، تو ہمارا مستقبل بھی نئے امکانات کا مظہر ہو گا۔ گزشتہ سال ہم جس صورت حال سے گزرے، اس سے دل لہو لہو، اور آنکھیں اشک بار ہیں۔ اللہ کرے کہ یہ نیا سال کو رونا کے خاتمے کا سال ثابت ہو، محبتیں پروان چڑھیں اور امن کی فاختہ راج کرے۔

۲۰۲۰ء میں "کاروان سخن" کی کئی نابغہ شخصیات ہم سے بچھڑ گئیں، جو اپنی کارکردگی کے حوالے سے ادبی دنیا میں منفرد مقام کی حامل تھیں، اللہ ان کی مغفرت فرمائے یقین کامل ہے کہ ان کی تحریروں کی بازگشت نہ صرف ۲۰۲۱ء میں بلکہ رہتی دنیا تک سنائی دے گی، کیوں کہ لکھنے والا کسی ایک زمانے کے لیے نہیں لکھتا۔ ادیب کی نگاہ تو دور تک دیکھنے کی صلاحیت رکھتی ہے اور ہمارا عقیدہ ہے کہ ادیب بھی نہیں مرتا کہ وہ تو اپنی تخلیقات کے روپ میں ہمیشہ کے لیے امر ہو جاتا ہے۔ کہتے ہیں ”ادب، سماج کا آئینہ ہے اور اس فقرے کو مسلسل دہرایا جاتا ہے۔ فی زمانہ، ادب اور سماج کا تعلق معدوم ہوتا دکھائی دے رہا ہے۔ ادب کے اجزائے ترکیبی میں اظہار کو فوقیت حاصل ہے۔ اظہار کے ساتھ ابلاغ لازم و ملزوم ہے۔ اگر یہ تلازمہ ادبی اظہار سے جڑا ہوتا ہے تو ادب، سماج کا آئینہ ہے، اور نہ یہ آئینہ محدب عدسہ بن کر رہ جاتا ہے۔

کہیں ایسا تو نہیں کہ ادب کی آغوش میں پلنے والی اردو صحافت نے تیزی سے کامیابی کی منازل طے کر لیں، جس سے ادبی اظہار کا نمایاں وصف ”علم البیان“ قصہ پارینہ بن کر رہ گیا۔ پچھلے برس، افسانوی ادب کو خاصا فروغ ملا۔ اب ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ مشاعروں کی روایت دم توڑ رہی ہے۔ ساکنان شہر قائد کے ابتدائی مشاعروں کا احوال اور آج کی صورت حال سب کے سامنے ہے، اگر نئی نسل، پرانی روش پر چلتی رہی، تو یہ سراسر اپنے عصر سے روگردانی ہو گی۔

آج کا دور سائنس اور ٹیکنالوجی کا دور ہے۔ مشاہدے اور تجربے نئے امکانات پیدا کرتے ہیں۔ ہر اچھی تخلیق، زمان و مکان کی قیود سے آزاد ہو کر ہر زمانے کی قرار پاتی ہے، لیکن اولین ابلاغ، اس کے معاصرین و سامعین ہی کا مرہون منت ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے مایوسی اور ناامیدی نظر نہیں آتی، لیکن یہ بھی

حقیقت ہے کہ اکثر تخلیق کار، اردو تدریس کی ناگفتہ بہ صورت حال کا شکار ہیں، جس کے سبب اردو ادب کی ابلاغی سرگرمیاں، لکھنے والوں کی تخلیقی سرگرمیوں سے ہم آہنگ نظر نہیں آتیں۔

اس صورت میں تخلیق کاروں کی ذمے داریاں اور بڑھ جاتی ہیں کہ وہ تخلیقی عذاب سہیں، سماج کی بے اعتنائی سے نبرد آزما بھی ہوں اور عہدے و منصب پر فائز سطحی لوگوں کی خوشامد کا زینہ بھی طے کریں۔ ۲۰۲۱ء میں پاکستانی قلم کار اپنی فن کارانہ و تخلیقی صلاحیتوں سے قوم کو بحرانی کیفیت سے نجات دلا سکتے ہیں، مگر افسوس، ہم مختلف خانوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ جس کی وجہ سے قومی یکجہتی کا تصور معدوم ہوتا جارہا ہے۔ اگر ہمارے قلم کار مزاحمت کی حدود سے نکلیں اور انقلاب کے در وا کرنے کی جدوجہد کریں، تو یقینا ہم اس سال تغیر و تبدل کا نیا باب رقم کر سکیں گے۔ سال رواں میں ادب کا کردار جامع اور اثر انگیز ہونا چاہیے، لیکن اس کے لیے اولین شرط یہی ہے کہ افراد معاشرہ، تعلیم یافتہ اور اچھے ادبی ذوق کے حامل ہوں۔ تعلیمی پس ماندگی اور بدنما سیاسی کلچر کی وجہ سے ادبی صورت حال خاصی متاثر ہو گئی ہے، لیکن پاکستان کی سیاسی زندگی میں آمرانہ جبر واستحصال کے نتیجے میں جو مزاحمتی ادب پیش کیا گیا، اسے بھی نئے لیتے اور تازہ اظہار سے تقویت ملے گی۔

آج کے مخصوص سیاسی اور سماجی حالات کی بدولت نئی نسل میں حقیقی صورت حال کو پوری طرح سمجھنے کی سنجیدہ کوشش بھی نظر آرہی ہے۔ طنزیہ اور مزاحیہ اظہار میں ہم عصر قلم کاروں نے خاصی دل چسپی کا اظہار کیا ہے۔ اکیسویں صدی، حقائق حیات کی صدی ہے، جس کے بہت سے زاویے ہیں۔ تمام اصناف سخن کو اپنے اپنے، ہیئتی تقاضوں کے مطابق ہم عصر زندگی کا کوئی نہ کوئی اچھوتا عکس پیش کرنا ہو گا، تاکہ اس دور کی عکاسی کے عمل میں ایک دوسرے کے ہم رکاب ہوں۔

ہمیں یقین ہے کہ ۲۰۲۱ء میں ادب اور سماج کے رشتے پہلے سے زیادہ مضبوط ہوں گے اور تنقید کے میدان میں ہلچل پیدا ہو گی۔ شاعری کا پلڑا تو ہر دور میں بھاری رہتا ہے، لیکن نثر میں بھی اچھی تخلیقات منظر عام پر آئیں گی۔ اس وقت مغربی دنیا میں ناہموار معاشی استحکام کے خلاف جو مباحث چل رہے ہیں، ان کی وجہ سے مفکرین، سماجی تبدیلی کے لیے ادب کے کردار پر زیادہ زور دے رہے ہیں۔ اس وقت امریکا میں امتزاجی تنقید کے خلاف بہت لکھا جارہا ہے، جس سے برصغیر کی اردو تنقید بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔

پاکستان میں شعری، نثری، تنقیدی اور تخلیقی ادب کے حوالے سے مسلسل نیا کام سامنے آرہا ہے۔ معاشرے کو متوازن، خوش ترتیب اور معتدل رکھنے کے لیے ہمیں اپنی ظاہری اور باطنی زندگی میں حسن و توازن قائم کرنے کی ضرورت ہے۔ ادب اور دیگر فنون لطیفہ کی بقا اور استحکام کے لیے بھی عملی جدوجہد کا جاری رکھنا ضروری ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ سال رواں میں غزل اور افسانے کو زیادہ پذیرائی حاصل ہو گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اردو افسانے نے ہماری تہذیبی اور سماجی زندگی میں ارتعاشات کا ایک نیا ریکارڈ قائم کیا ہے۔ غزل تو ہر دور میں تہذیبی و ثقافتی مزاج کا حصہ رہی ہے، یہ انسانی احساس کے اظہار کا سب سے موثر ذریعہ ہے۔ ان دونوں اصناف میں بہتر اور موثر کارکردگی کی توقع ہے۔

ہمارے ادیب، شاعر اور دانش ور ایسے مستقبل کی داغ بیل ڈال سکتے ہیں، جس میں یگانگت اور یکجہتی کو خواب کی بجائے، اساس کا درجہ حاصل ہو۔ بلاشبہ لکھنے والا علم غیب نہیں رکھتا، لیکن اس کا مشاہدہ، مطالعہ اور تجربہ، اسے اس منزل پر لے جاتا ہے، جہاں سے وہ مستقبل کے امکانات کا بھی جائزہ لے سکتا ہے۔ ادیب، صرف اپنے دور کے لیے نہیں لکھتا، اس کی سوچ و فکر آفاقی ہوتی ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اس کی تخلیقات آنے والے زمانے میں بھی اپنا تشخص برقرار رکھ سکیں۔ نئے زمانے کی تحریروں میں قدماء کے حوالے اس لیے دیئے جاتے ہیں کہ ان کی تحریروں میں نیا عہد بول رہا ہوتا ہے۔

الف۔ اُردو نثر کی نمائندہ اصناف اور کورونائی پیش کش:

اردو نثر کی مقبول ترین اصناف میں ناول اور افسانہ سرفہرست ہیں۔ ادیبوں نے ان اصناف میں:

ناول:

ناول اطالوی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معنی انوکھا، نرالا، نیا ہے۔ اطالوی زبان کا یہ لفظ ایسے قصوں کے لیے انگریزی زبان میں استعمال ہونے لگا، جس میں زندگی کے انوکھے واقعات یا چونکا دینے والے واقعات بیان ہوتے تھے۔ داستان سے یہ صنف اس لیے مختلف قرار پائی کہ داستان کی بنیاد تخیل اور مافوق الفطرت قصوں پر رکھی جاتی ہے جب کہ ناول میں حقیقی زندگی کے واقعات کی عکاسی ہوتی ہے۔ ۱۸۵۷ء

کی جنگ آزادی کے بعد اردو میں اس صنف کا آغاز ہوا اور داستانوں کی جگہ اس صنف ادب نے لے لی۔ اردو ادب میں پہلی مرتبہ طلسماتی فضا سے نکل کر قصہ حقائق کی دنیا میں داخل ہوا اور مصنفین نے اپنے نقطہ نظر اور فلسفہ حیات کو کہانی کے روپ میں بیان کرنا شروع کیا۔ ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی ناول کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "ناول کا لفظ ہمارے یہاں مغربی ادب بالخصوص انگریزی کے اثر سے آیا اس کا اطلاق نثر میں ایسے قصوں پر ہوتا ہے جن میں ایک واضح اور منظم پلاٹ ہو اور جس میں خیالی کہانیوں کی بجائے زندگی کے مسائل، معاملات اور واقعات بیا نکئے جائیں جو نہ تو قدیم داستانوں کی طرح اتنا طویل ہو کہ ایک داستان لکھنے کے لیے کئی کئی مصنفین کی ضرورت ہو اور نہ اتنا مختصر کہ چائے کی ایک پیالی پر لکھا اور پڑھا جا سکے۔"[۳]

ناول زندگی کا عکاس بھی ہے ترجمان بھی ہے اور ایک اچھا لکھا ہوا ناول زندگی کے کسی خاص پہلو، مقصد کی وضاحت بھی کرتا ہے اور اپنے دور کی فضا کو بھی بیان کرتا ہے در حقیقت کسی بھی دور کا ناول اپنے دور کی سچی معاشرتی تصویر پیش کرتا ہے۔ ناول کے بارے میں مغربی نقاد بیکر (Baker) کی رائے مکمل ترین ہے۔ اس کے خیال میں:

> "اولنثری قصے کے ذریعے انسانی زندگی کی ترجمانی کرتا ہے وہ بجائے ایکشاعرانہ اور جذباتی نظریہ حیات کے ایک فلسفیانہ سائنٹیفک یا کم از کم ایک ذہنی تنقید حیات پیش کرتا ہے۔ قصے کی کوئی کتاب اس وقت تک ناول نہ کہلائے گی جب تک وہ نثر میں نہ ہو۔ حقیقی زندگی کی ہو بہو تصویر اس کے مانند کوئی چیز نہ ہو اور ایک خاص ذہنی رجحان اور نقطہ نظر کے زیر اثر اس میں ایک طرح کی یک رنگی اور رابطہ موجود ہو۔"[۴]

ناول سے اصلاح کا کام بھی لیا جاتا ہے تا کہ معاشرے میں کوئی بگاڑ ہو تو وہ ٹھیک کیا جا سکے۔ لوگوں میں احساس شعور کو زندہ کیا جا سکے۔ ناول کو زندگی کے لیے ایک آئینہ کی سی حیثیت حاصل ہے۔ عبد الحلیم شرر مضامین شرر میں لکھتے ہیں:

> "یورپ میں جو ہر قسم کی اخلاقی، مذہبی نیز پولیٹیکل اصلاح کا ذریعہ ناول قرار دیے گئے ہیں تو یہ کوئی بے عقلی کا کام نہیں کیا گیا۔ نہ یورپ ایسا بے عقل اور عاقبت نااندیش ہے کہ کسی فاش غلطی میں مبتلا ہو جائے۔ اصل یہ ہے کہ ناول سے زیادہ مؤثر پیرایہ کسی مسئلہ یا کسی تہذیب کے ذہن نشین کرنے اور لوگوں کو پابند بنا دینے کا ہو سکتا ہی نہیں جو معلم اخلاق یہ چاہتا ہو کہ لوگ اس کے اصول اخلاق پر کاربند ہوں تو اسے سوا اس کے کہ ناولوں کے اسلوب اختیار کرے اور کسی طرح کامیابی نہیں ہو سکتی۔"[۵]

نذیر احمد کو اردو کا پہلا ناول نگار تسلیم کیا جاتا ہے۔ ان کے ناول ”مراۃ العروس“ ، ”بنات النعش“ ، توبتہ النصوح“ ، ”ابن الوقت ، رویائے صادقہ“ ، ”فسانہ مبتلا، ”ایامی“ سب ہی تعلیم نسواں، سماجی و تہذیبی مسائل پر بحث کرتے ہیں۔ جس سے انہوں نے معاشرے کی اصلاح کا بھرپور کام لیا ہے ڈاکٹر مظفر عباس نذیر احمد کے ناولوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "مولوی نذیر احمد کی ناول نگاری کا آغاز ۱۸۶۹ء میں مراۃ العروس کی تصنیف سے ہوا۔ ان کے فن کی بنیاد مقصدیت پر قائم ہے جس کی مختلف سطحیں فرد سے معاشرے کی طرف سفر کرتی ہیں۔ ان کا مطمح نظر قومی اخلاقیات کی اصلاح ہے اور اس طرح ان کے ناولوں کا رشتہ سرسید کی اصلاحی تحریک سے جوڑا جا سکتا ہے۔"[۶]

رتن ناتھ سرشار نے اسی عہد میں "فسانہ آزاد" اور "سیر کہسار" لکھ کر شہرت حاصل کی اور ڈاکٹر میمونہ انصاری کے خیال میں:

> "اردو زبان کا پہلا ناول نگار سرشار ہے۔ جس نے داستان کے بعد تفریحی مقصد لے کر ناول لکھے اس نے جس طرح داستان سے متاثر ہو کر فسانہ آزاد لکھا وہ اپنی مثال آپ ہے"۔[۷]

سرشار نے اپنے ناولوں میں لکھنوی تہذیب و معاشرت کی حقیقت پسندانہ عکاسی بھی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ناول کی فنی خصوصیات کے ساتھ مکمل انصاف نہیں کیا۔

عبدالحلیم شرر کے تاریخی ناولوں نے ادب میں ایک نیا موضوع متعارف کروایا کیونکہ شرر نے ہی تاریخی ناولوں کی بنا ڈالی ان کے ناولوں میں "منصور موہنا"، "ایام عرب"، "فردوس بریں"، "ملک العزیز ورجینا نمایاں ناول ہیں اور "فردوس بریں" ایک ایسی باطنی تحریک کا افسانوی روپ ہے جس میں جنت کے تصور کو سیاسی مفادات کے حصول کا وسیلہ بنایا گیا تھا۔ شرر کی ناول نگاری مقصدی تھی۔ ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا شرر کے بارے میں لکھتے ہیں۔

> "اردو ناول کا آغاز نذیر احمد اور سرشار کا مرہون منت ہے مگر اس کی مقبولیت میں شرر کی وجہ سے کئی گنا اضافہ ہوا۔"[۸]

مرزا ہادی رسوا لکھنو میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے ہمہ اقسام کے علوم میں دل چسپی لی، ناول نگاری میں انہوں نے "ذات شریف"، "شریف زادہ"، "اختری بیگم اور شہرہ آفاق ناول "امرائو جان ادا" جیسے ناول لکھے اور اردو ادب کا دامن وسیع کیا۔ ان ناولوں میں لکھنوی ماحول، تہذیب، معاشرت اور طوائف کی زندگی کی عکاسی بھرپور طریقے سے کی گئی ہے۔

غلام الثقلین نقوی کے ناول "چاند پور کی نینا"، "میرا گاؤں" میں تغیر کا عمل مشین کی آمد سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس طرح یہ ناول ہر اس گاؤں کا نمائندہ ناول بن جاتا جس کی نئی صورت گری میں مشین اور بجلی اہم کردار ادا کر رہی ہے۔ ڈاکٹر وزیر آغا لکھتے ہیں:

> "ایسا ناول تو کبھی کبھار ہی تخلیق ہوتا ہے لیکن جب تخلیق ہوتا ہے تو اپنے عہد کا سب سے اہم واقعہ قرار پاتا ہے"۔[۹]

افسانہ:

افسانہ اردو ادب کی ایک اہم صنف ہے۔ افسانہ ایک ایسی مختصر تحریر کا نام ہے جس میں زندگی کے کسی ایک واقعے، پہلو یا کردار کو پیش کیا جاتا ہے۔ افسانہ داستان اور ناول کی ترقی یافتہ شکل ہے۔ فرہنگ تلفظ میں افسانے کے معنی ہیں:

> "دلچسپ بیان کے قابل واقعہ یا روداد، مختصر کہانی، قصہ داستان، من گھڑت بات، جھوٹ، افواہ۔"[۱۰]

قومی انگریزی اردو لغت میں افسانے کے معنی ہیں:

> "جھوٹی کہانی، دس ہزار لفظوں کے اندر اندر لکھی گئی کہانی، مختصر افسانہ"[۱۱]

ڈاکٹر نگہت ریحانہ خان افسانے کی تعریف کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

> "انگریزی زبان میں لفظ" فکشن" ایک وسیع مفہوم کا حامل ہے۔۔ اردو ادب میں لفظ افسانہ بھی ایک وسیع مفہوم میں استعمال کیا جاتا ہے اور انگریزی لفظ "فکشن" کے لیے اردو میں لفظ "افسانہ" ہی زیادہ تر مستعمل ہے۔ اس طرح شارٹ اسٹوری کے لیے مختصر کہانی کم اور مختصر افسانہ زیادہ استعمال کیا جاتا ہے۔ افسانہ کے اس مفہوم ہی کے سبب اس کا اطلاق بیک وقت قصہ، کہانی، داستان، ناول، مختصر افسانہ، طویل مختصر افسانہ، ناولٹ وغیرہ پر ہو سکتا ہے۔"[۱۲]

عطاء الرحمن نوری افسانے کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "افسانہ قصہ کی وہ شکل ہے جس کے لیے انگریزی زبان میں "شارٹ اسٹوری" کا نام استعمال کیا ہوتا ہے۔ اب اس کے لیے "فکشن کا لفظ مستعمل ہے۔ یہ داستان اور ناول کی ارتقائی اور ترقی یافتہ صورت ہے۔۔۔ فرضی

> کہانی کو افسانہ کہا جاتا ہے۔ جو حقیقت کے قریب ہو اور زندگی کی عکاس ہو۔ کیوں کہ اسے زندگی کا ایک ادبی نقش قرار دیا جاتا ہے۔"[۱۳]

پروفیسر انور جمال افسانے کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "افسانہ اصطلاحاً اردو ادب کی نثری صنف ہے جس میں قصہ، واقعہ، کہانی، حقیقت کا نقیض، جھوٹ، جھوٹی کہانیا بات کو زیب داستاں کے لیے بڑھانا مقصود ہوتا ہے۔"[۱۴]

اُردو افسانہ بیسویں صدی کی پیداوار ہے۔ قبل ازیں اردو کا نثری سرمایہ داستان اور ناول کی شکل میں ملتا ہے۔ اردو میں قصے کہانی کی ابتدا اٹھارویں صدی عیسوی سے شروع ہوئی۔ یہ قصے انسانی تہذیب و تمدن کے ساتھ ترقی کی مختلف منزلوں سے گزرتے رہتے ہیں۔ انسان کی تاریخ، نفسیاتی پیچیدگیوں، امنگوں اور کاوشوں کو محفوظ رکھنے کی قدرت جتنی قصہ گوئی کی فن کو حاصل ہے۔ ادب کی دوسری کوئی صنف اس خصوصیت کی حامل نہیں۔

اردو ادب میں داستان نویسی کا آغاز ”سب رس“ سے ہوتا ہے۔ اس کے بعد داستان امیر حمزہ، بوستان خیال، باغ و بہار، آرائش محفل، رانیکیتکی، فسانہ عجائب، گل صنوبر، سروش سخن اور طلسم حیرت جیسی مشہور داستانیں ہمارے سامنے آتی ہیں۔ یہ سارے قصے اپنے عہد کے مکمل آئینہ دار ہیں۔ اس طرح داستانیں اپنے آغاز سفر "سب رس" سے ۱۸۵۷ء تک مکمل کرتی ہیں۔ ۱۸۵۷ء کی غدر کے بعد برطانوی حکومت برصغیر پر مسلط ہو جاتی ہے۔ مغربی اقوام اپنے ساتھ نیا تعلیمی نظام لے کر آئیں۔ سائنس نے بھی بے تحاشا ترقی کر لی۔ اس نئے تعلیمی نظام اور سائنسی ترقی نے ہندوستانی عوام میں شعور پیدا کیا کہ پرانے نظام زندگی کے ساتھ اب گزار ممکن نہیں ہے۔ اب ان کو بھی وقت کے جدید تقاضوں کے ساتھ ترقی کرنی ہوگی۔ اس کے نتیجہ میں اس وقت کا انسان نئے علم و فنون کی طرف مائل ہو گیا۔ سفر ناموں، سوانح عمریاں، مکتوب و مضمون نگاری، چھاپہ خانوں کا قیام اور اخبارات کا آغاز نئے تعلیمی نظام کے فروغ کی بدولت ممکن ہوا۔ اس بارے میں ڈاکٹر یوسف سرمست لکھتے ہیں:

> "سارے ہندوستان کی زبانوں نے وقت کے تقاضوں کا جواب دینے کے لئے نئے طرز فکر، نئے تصورات اور نئے خیالات کو جگہ دی اور فکر و خیال کی اس جدت نے ادب کے اصناف میں تبدیلی کا مطالبہ کیا۔ جس کی وجہ سے نئے اصنافی ادب کی ضرورت پڑی۔ اس ضرورت کے نتیجہ کے طور پر ناول کی صنف بھی وجود میں آئی۔"[۱۵]

ناول میں زندگی کے حقائق کو حقیقت سے پیش کیا گیا۔ ناول میں واقعات کی ترتیب و تنظیم، آغاز، پھیلاو اور منطقی انجام پر زور دیا جانے لگا اور یہ سب نئے دور کی تبدیلیوں کے پیش نظر ہوا۔ بیسویں صدی کی برق رفتار زندگی، معاشی الجھنوں اور سائنسی ترقی نے انسانی زندگی سے فرصت کے لمحات کو کم کر دیا۔ اس صورت حال میں طویل قصوں کی بجائے مختصر کہانیوں کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس طرح مختصر افسانہ متعارف ہوا۔ پریم چند اور سجاد حیدر یلدرم اردو افسانے کے مبتدی کہلائے۔ پریم چند اور سجاد حیدر یلدرم اردو افسانے کی ابتدا کے دو الگ الگ رویوں کے نام ہیں۔ پریم چند نے حقیقت نگاری اور سجاد حیدر یلدرم نے تصوراتی نقشے پیش کیے ہیں۔ پریم چند کی حقیقت نگاری کے بارے میں ڈاکٹر سلیم اختر لکھتے ہیں:

> "داستان اور ناول کے برعکس اردو افسانہ کا آغاز ہی حقیقت نگاری سے ہوتا ہے۔ داستان نگار ہمیشہ تخیل کی پر اسرار بھول بھلیوں اور مافوق الفطرت میں مگن رہے جب کہ ناول نذیر احمد کے وعظوں، عبد الحلیم شرر کی تاریخی مہمات (جنہیں وہ خود بھی لائٹ لٹریچر قرار دیتے ہیں) اور رتن ناتھ سرشار کے طویل ترین "فسانہ" کے مراحل طے کرنے کے بعد کہیں مرزا رسوائی "امراؤ جان ادا" کی صورت میں حقیقت نگاری کی طرف آتا ہے۔ لیکن پریم چند نے اپنے پہلے افسانہ "دنیا کا انمول تریز تن" سے لے کر آخری عمر کے مشہور ترین افسانہ ”کفن تک حقیقت نگاری کو اپنے فن کی اساس قرار دیا۔"[۱۶]

پریم چند حقیقت پسند، اصلاحی میلان کے علمبردار اور احساس دل کے مالک تھے۔ پریم چند نے افسانوں کو مقامی رنگ دے کر انہیں حقیقت اور واقعیت سے قریب تر کر دیا۔ پریم چند کے ہم مسلک افسانہ نگاروں میں سدرشن، علی عباس حسینی، اعظم کریوی، محمد مجیب، اشرف صبوحی اور بعد کے دور میں حیات اللہ انصاری، سہیل عظیم آبادی اور اختر اورینوی نمایاں نام ہیں۔

۱۹۳۲ء میں سید ظہیر نے مجموعہ "انگارے" کی اشاعت کر کے افسانے کو نیا رجحان اور نئی جہت عطا کی۔ یہ دس افسانوں کا مجموعہ تھا۔ انگارے گروپ کے افسانہ نگار مغرب کے جدید ادبی رجحان سے متاثر تھے۔ انگارے مغرب کے فن اور مشرق کی زندگی کے چھوٹے بڑے بہت سے اہم مسائل کا فی امتزاج ہے۔ انگارے کے مصنفین نے زندگی کی حقیقت کو بڑی بیباکی سے پیش کیا ہے۔ اس بارے میں وقار عظیم لکھتے ہیں:

> "موضوع کے لحاظ سے اس سے پہلے اردو کے افسانوں میں اتنی صاف گوئی
> اور بیباکی کہیں نہیں ملتی اور نہ فن کے لحاظ سے اتنی نازک پیچید گیاں۔"[۱۷]

"انگارے" کی اشاعت ترقی پسند تحریک کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ سید سجاد ظہیر نے ۱۹۳۶ء میں لندن میں اس تحریک کی بنیاد رکھی۔ اس تحریک کے پس پشت کارل مارکس کا نظریہ "اقتصادی برابری کارفرما تھا۔ اس تحریک کے زیر اثر لکھنے والے افسانہ نگاروں نے انسان کو درپیش مشکلات و مسائل کو موضوع بنایا۔

اس تحریک میں حیات اللہ انصاری، خواجہ احمد عباس، سید سجاد ظہیر، کرشن چندر، سعادت حسن منٹو، راجندر سنگھ بیدی، غلام عباس، احمد ندیم قاسمی، ممتاز مفتی، ممتاز شیریں، عصمت چغتائی، بلونت سنگھ وغیرہ شامل ہوئے۔ ان ترقی پسند افسانہ نگاروں نے افسانے میں وسعت اور گہرائی پیدا کر دی۔

ترقی پسند تریک کے ساتھ ساتھ رومانیت پرستی کا رجحان بھی پرورش پاتا رہا۔ یہ فن برائے فن کے حامی تھے۔ جس کے میر کارواں سجاد حیدر یلدرم تھے۔ سجاد حیدر یلدرم نے خالص رومانی افسانے لکھے۔ سجاد حیدر یلدرم کے افسانوی مجموعوں میں خیالستان، سودائے سنگین، حکایہ لیلیٰ مجنوں اور خارستان شامل ہیں۔ سجاد حیدر یلدرم کے افسانوں کے بارے میں ڈاکٹر نگہت ریحانہ خان لکھتی ہیں:

> "سجاد حیدر یلدرم کے افسانوں کا پہلا مجموعہ "خیالستان" ہے۔ جس کے افسانوں میں فن کا احساس اور اظہار بھرپور طریقہ پر نظر آتا ہے۔ خصوصاً "سودائے سنگین"، "حکایہ لیلیٰ مجنوں" اور "خارستان" میں جو فن کی نزاکتوں اور لطافتوں، خیال کی رعنائیوں، بیان کی رنگینیوں، زبان کے چٹخاروں اور مناسب صنعتوں سے سجے ہوئے ہیں۔ ہر افسانہ میں ایک خاص تسلسل اور ربط نظر آتا ہے۔"[۱۸]

بیسویں صدی کے آخر میں مغرب کا جادو مشرق پر چھا چکا تھا۔ ایسے میں کچھ لوگوں نے اپنی پرانی روایات سے جڑے رہنے کو اولیت دی۔ ان کے دلوں میں مغرب پرستی کے خلاف شدید نفرت پائی جاتی تھی۔ اس بنا پر انھوں نے اپنی قوم کے لوگوں کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا۔ ان اصلاح پسندوں میں سلطان حیدر جوش اور اعظم کریوی شامل ہیں۔

قیام پاکستان سے قبل برصغیر کی تقسیم کے وقت جو واقعات رونما ہوئے۔ ان واقعات نے برصغیر کے افسانہ نگاروں، شاعروں اور دانشوں کو ہلا کر رکھ دیا۔ آزادی کے بعد افسانے میں نئے رجحانات پیدا ہوئے مسلمانوں نے غلامی سے نجات تو حاصل کر لی تھی لیکن اس کے ساتھ مسلمانوں کو گہرے زخم بھی ملے تھے جن سے آزادی کے حصول کی خوشیاں ایک دردناک المیے کی صورت اختیار کر گئیں۔ ہندوستان کی تقسیم کے زیر اثر جو تبدیلیاں رونما ہوئیں ان میں افسانہ نگاروں کا دو حصوں میں بانٹنا بھی شامل ہے۔ اس بارے میں ڈاکٹر فرمان فتح پوری لکھتے ہیں:

> "یہ تبدیلیاں ایسی نہ تھیں کہ ادب اور ادیبوں پر ان کا اثر نہ پڑتا۔ اثر پڑا اور ان کی تخلیقات میں رونما بھی ہوا۔ یہ ضرور تھا کہ جو لوگ قیام پاکستان کے پہلے سے لکھ رہے تھے اور بحیثیت افسانہ نگار مستحکم ہو چکے تھے۔ ان کے یہاں ہندوستان کی تقسیم کی نوعیت، نئے لکھنے والوں سے مختلف تھی۔ پرانوں کی تحریر میں عموماً تامل و تفکر اور توازن و سنجیدگی کا مظہر تھیں۔ جبکہ نئے لکھنے

> والوں کے یہاں جذبات کا اشتعال اور تموج بہت نمایاں تھا۔ اس فرق میں سماجی حالات کو اتنا دخل نہ تھا جتنا کہ ذہن و قلم کی پختگی کا تھا۔"[۱۹]

آزادی سے قبل غیر ملکی جبر و ستم کے خلاف احتجاج ہمارے افسانوں کا موضوع تھا۔ افسانہ نگاروں کے پاس اب موضوع تقسیم کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے فسادات کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ فسادات کے موضوع پر جن افسانہ نگاروں نے افسانے لکھے ان میں کرشن چندر، راجندر سنگھ بیدی، سعادت حسن منٹو، عصمت چغتائی، شکیلہ اختر، احمد ندیم قاسمی، قدرت اللہ شہاب، ممتاز مفتی، عزیز احمد، سہیل عظیم آبادی، خواجہ احمد عباس، خدیجہ مستور، ہاجرہ مسرور اور رام لعل وغیرہ شامل ہیں۔

اعلانِ آزادی کے بعد سیاسی سطح پر جو واقعات رونما ہوئے اس کے اثرات بھی اردو افسانے پر پڑے۔ یہ سیاسی اثرات ترقی پسندوں پر بھی پڑے۔ ترقی پسند پاکستان کا وجود تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ قیام پاکستان کے بعد ۱۹۵۰ء کے عشرے میں ترقی پسند ادبی تحریک تیزی سے زوال پذیر ہوئی۔ اس بارے میں پروینا ظہر لکھتی ہیں:

> "دنیا کا اصول یہ ہے کہ ہر چیز کی تابناکی کا ایک وقت اور دور ہوتا ہے جس کے بعد اس کی اہمیت، دلکشی اور مقبولیت کم ہو جاتی ہے اور اس جگہ دوسری چیز پیدا ہوتی ہے۔ یہ اصول تحریکوں کے معاملے میں زیادہ، صحیح ثابت ہوتا ہے۔ یہ تحریک چاہے ادبی، سیاسی، معاشی یا معاشرتی ہو ترقی پسند تحریک کے ساتھ بھی ایسا ہوا۔ اس تحریک کے زمانے میں افسانہ بام عروج پر پہنچا۔ زبان، مواد، تکنیک اور مقصد سب ہی پر اثرات پڑے اور ہمارا افسانہ دوسری زبانوں کے مد مقابل بنا مگر ۱۹۵۵ء کے بعد اس تحریک کے اثرات آہستہ آہستہ ختم ہونے لگے۔"[۲۰]

جب سرکاری طور پر ترقی پسند تحریک پر پابندی عائد ہوئی تو افسانے کی سمت میں بھی تبدیلی رونما ہوئی۔ اور ساٹھ تک کی دہائی میں اردو افسانے نے ایک نئی راہ اختیار کر لی۔ اس بارے میں پروفیسر غفور شاہ قاسم لکھتے ہیں:

> "۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۷ء تک اردو افسانہ اپنی مخصوص ڈگر پر چلتا رہا
> لیکن ۱۹۶۰ء کے عشرے میں اس نے اپنی ڈگر بدلنا شروع کر دی۔"[۲۱]

۱۹۵۸ء میں مارشل لا کے نفاذ کی بہت اہمیت ہے۔ مارشل لا کے نفاذ کا اثر سیاسی، سماجی اور تہذیبی سطح پر پڑا وہاں اس کے اثرات اردو افسانے پر بھی پڑے۔ فوجی آمریت کے ساتھ ہی زبان و بیان اور اظہار و ابلاغ پر پابندی عائد ہو گئی تھی۔ مارشل لا کے نفاذ کی وجہ سے جو زبان بندی کی صورت حال پیدا ہوئی اس سے نمٹنے کے لیے افسانہ نگاروں نے علامتی اسلوب اور تجریدی اسلوب کو اپنایا۔

اُردو افسانے میں علامتی انداز کو جن لوگوں نے اپنایا ان میں انتظار حسین، انور سجاد، خالدہ حسین، رشید احمد، محمد منشا یاد، منیر احمد شیخ اسد محمد خان، بلراج کومل، مشتاق قمر، بلراج منیرا، احمد داؤد، فہیم اعظمی، عوض سعید، شوکت حیات، انور زاہدی، زاہد و حنا وغیرہ شامل ہیں۔

پاکستان کی تاریخ میں ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ نا قابل فراموش واقعہ ہے۔ اس جنگ کے اثرات نہ صرف زندگی کے دوسرے شعبوں پر پڑے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ شعر و ادب پر بھی اس کے اثرات مرتب ہوئے۔ اس جنگ کے پس منظر میں لکھے جانے والے افسانوں میں خدیجہ مستور کا "ٹھنڈا میٹھا پانی، غلام الثقلین نقوی کے افسانے "نغمہ اور آگ" اور "جلی مٹی کی خوشبو، فرخندہ لودھی کا پاربتی اور مشتاق قمر کا لہو اور مٹی شامل ہیں۔

۱۹۷۱ء میں دوسری پاک بھارت جنگ ہوئی جس کے نتیجے میں مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان ایک دوسرے سے علیحدہ ہو گئے۔ سقوط مشرقی پاکستان نا قابل فراموش المیہ ہے۔ جس کا اثر اردو افسانے پر بہت گہرا پڑا۔ اس المیہ سے متاثر ہو کر جو افسانے تخلیق ہوئے ان میں انتظار حسین کا "ہندوستان سے ایک خط"،

مسعود اشعر کا کچھ جو مٹی نہ دیئے، اے حمید کا " اب جاگتے رہنا، منیر احمد شیخ کا زر و ماضی کی خوشبو، غلام الثقلین نقوی کا "کالی ماتا کی پجارن " شامل ہیں۔

۱۹۷۷ء میں جنرل ضیاء الحق نے ملک میں مارشل نافذ کیا۔ جنرل ضیاء الحق کی فوجی آمریت ایسی تھی جس نے ملک کے افسانے کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ پاکستان میں پہلی بار ادیبوں کی بہت بڑی تعداد نے ضیاء آمریت کے خلاف احتجاج کیا اور ضیاء آمریت کے خلاف بہت سے افسانہ نگاروں نے افسانے لکھے۔ جن میں منصور قیصر کے افسانے "ایک بانسری ہزار ہیرو"، "زندہ جسموں کی زمین"، احمد داؤد کا "وسکی اور پرندے کا گوشت"، انور سجاد کا "سیاہ رات"، محمد منشایاد کا "رکی ہوئی آواز میں"، مرزا حامد بیگ کا "تربیت کا پہلا دن"، مستنصر حسین تارڑ کا "بابا گلوس" شامل ہیں۔

۱۹۸۰ء کے بعد اردو ادب میں جو تبدیلی رونما ہوئیں اسے مابعد جدیدیت کا نام دیا گیا۔ اس رجحان کے اثرات اردو افسانے پر بھی پڑے۔ اس مابعد جدیدیت کے دور میں تجریدی اور علامتی افسانے کی جگہ پھر سے بیانیہ افسانے لکھنے کا رجحان شروع ہوا۔ مابعد جدیدیت کے اہم افسانہ نگاروں میں قاضی عبد الستار، سلام بن رزاق، نیر مسعود، شوکت حیات، سید محمد اشرف، بیگ احساس، طارق چھتاری، نور شاہ، آنند لہر، مشتاق احمد نوری، ترنم ریاض، رحمان عباس اور مرزا مظہر الزماں خاں وغیرہ کے نام اہمیت کے حامل ہیں۔

کورونا وائرس کی ابتداء ہوتے ہی پوری دنیا میں حیرانگی کے ساتھ ساتھ خوف، ڈر، وہم، ڈپریشن نے انسانوں کے دلوں میں چھا گیا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اپنے عزیزوں سے دور رہنا پڑا اس دوری اور تنہائی کے دور نے جہاں ایک طرف رنجش اور سنگدلی کو پروان چڑھایا ہے وہاں دوسری طرف ہمیں خیر کا پہلو بھی نظر آتا ہے بظاہر تو کورونا وائرس نہ نظر آنے والا وائرس ہے لیکن اس وائرس سے جتنی تباہی و بربادی ہوئی ہے اس نے ہمارے دماغوں میں کورونا کا گمان ایک قویالجثہ کی صورت میں رکھا ہے کہ جو اتنا طاقت ور ہے کہ پل بھر میں زندگیاں تباہ کر دینے والا ہے۔

جہاں کورونا وائرس نے اتنی دہشت پھیلا رکھی وہیں کورونا وبا کے دنوں میں قلم کاروں نے اپنے فن کے جوہر بھید کھائے جس وبا کی وجہ سے اپنے ہی پیاروں سے دوری نصیب ہوئی اس وبا نے ادب کو ہی بدل ڈالا۔ ادبی دنیا میں نئے طرز کے لکھاری اور نئے طرز ادب تخلیق ہونے لگا۔ وہ افسانہ ہو، ناول ہو، ڈرامہ ہو یا شاعری ادب ہر دور میں زندہ رہا ہے۔ ادیب قاری کو مایوسی و قنوطیت سے نکال کر رجائیت کی راہ پر گامزن کرتا ہے۔ دکھ، درد میں ادیب اس درد سے نئے پہلو تراشنے کے لیے ہر وقت کوشاں رہتے ہیں اور ایک ایسا وقت بھی آتا ہے کہ وہ بیماری، وہ آفت یا وہ دوری جسے ہم پہاڑ سمجھتے ہیں ہمارے لیے گلزار بن جاتی ہے۔

شہر خالی، کوچہ خالی:

اس تحریک کی ایک کڑی مستنصر حسین تارڑ کا لکھا ہوا ناول ”شہر خالی، کوچہ خالی“ ہے جس نے ادبی دنیا میں کورونائی عہد میں نام کمایا ہے۔ افغان شاعر اور موسیقار امیر جان صبوری کا کلام مستنصر حسین تارڑ نے اپنی تحریر کا حصہ بنایا ہے اور آغاز میں ہی اس نظم کو اردو ترجمے کے ساتھ شامل کیا ہے اور ناول کا عنوان بھی اس شعر سے مستعار لیا گیا ہے۔

یہ ناول ۸۰ فیصد تو مصنف کے ذاتی تجربات، احساسات اور خیالات پر مبنی ہے، جب کہ کوئی بیس فیصد حصہ۔ پر مشتمل ہے۔ کورونا کے دنوں اور راتوں کی کہانی ہے۔ پرندوں کی یلغار ہے، فاختہ اور چیل ایک وقت میں زندگی اور موت کے استعارے کی صورت اختیار کر جاتے ہیں۔ وبا کے پانی ہیں جس سے کل دھرتی بھر گئی ہے اور فاختہ خشکی کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ شہر کی سڑکیں خالی ہو جانے کے باعث حرکت اور شور میں کمی واقع ہوئی ہے اور یہ مختلف طرح کے پرندے ہیں جو منڈیر پر آکر بیٹھنا شروع ہو گئے ہیں جو ایک بوڑھے کے لئے توجہ اور دلچسپی کا باعث بن رہے ہیں۔ اسی ناول سے لیا گیا اقتباس ملاحظہ ہو:

"یہ محبت کرنے کے دن نہ تھے۔ محبت مؤخر کرنے کے دن تھے۔

یہ تنہائیوں کے دن تھے۔

> ایسی تنہائیاں جن کی کوئی حد نہ تھی۔ کون تھا جو پیش گوئی کر سکے کہ ان کا انتقام سو برس میں ہو جائے گا، شاید وقت کا اختتام ہو جائے پر یہ ان کی حدود سے بھی پار تک چلی جائیں، ماورا ہو جائیں زمانوں اور قرنوں سے اور چھید کر دیں اس کائنات کی ان دیکھی چادر میں اور کسی اور کائنات کی مسافتیں اختیار کر لیں۔"
>
> یہ ایسی تنہائیوں کے دن تھے۔" [۲۲]

گھر کی منڈیر مصنف کے اکلاپے کی واحد تفریح ہے جسے وہ دیکھتا رہتا ہے۔ جس روز وہاں پرندوں کی مختلف نسلوں کا ہجوم اترتا ہے تو مصنف کا دل بھی ایک سفید کنول کی مانند کھل جاتا ہے اور وہ دل بہلانے کی خاطر تصور کے تانے بانے بننے لگتا ہے کہ منڈیر دراصل ایک تھیٹر کی سٹیج ہے اور اس پر کوئی ایسا کھیل کھیلا جانا ہے جو آج تک کھیلا نہیں گیا۔ اس تھیٹر کی خوبی یہ ہے کہ آپ اپنی افتادِ طبع اور اپنے حسن ذوق کے معیاروں کے مطابق دنیا کا کوئی بھی کلاسیک ڈرامہ کر سکتے ہیں۔ اپنی پسند کے کسی بھی کردار کو ڈرامائی انداز میں منڈیر کی سٹیج پر تصور کر سکتے ہیں۔

مصنف انسانی سائیکی کے مختلف در بھی کھولتا چلا جاتا ہے۔ موت، ناگہانی حادثے یا دکھ کا اور جنسی عمل کا آپس میں کیا رشتہ ہے، اس کی توجیہہ کی الجھنیں شاید فرائڈ اور ژونگ کی تحریروں میں سلجھی ہوں لیکن حتمی طور پر یہ فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ ہم اہل مشرق کی نفسیات اور مغرب کے باسیوں کے نفسیاتی مسائل سراسر الگ ہیں اور ہم ان کے نفسیاتدانوں کی تحقیق کو مکمل طور پر اپنے آپ پر منطبق نہیں کر سکتے۔ دکھ اور جنسی عمل کے رابطہ کا سلسلہ شاید ہماری سرزمین کی قدامت اور توہم سے جڑا ہوا ہے۔

کیا کورونا کچھ نہیں؟

اسی طرح ایک نوجوان لکھاری محمد طاہر اشتیاق نے کورونائی فضا اور اس کی ہیبت ناکی کو ایک مختصر ناول کے روپ میں پیش کیا ہے، جسے حقیقت نگاری کا مرقع بھی کہا جا سکتا ہے۔ بعض کہانیاں، واقعات سے جنم لیتی ہیں، لیکن واقعات کو کہانی بنانا بھی ایک ہنر ہے۔ صاحب کتاب نے صرف ۲۳ سال کی عمر میں ایک حساس

موضوع پر ناول تخلیق کر کے بلاشبہ تاریخی کارنامہ انجام دیا ہے۔ ادب کے سنجیدہ حلقوں کو خوش دلی کے ساتھ ان کا استقبال کرنا چاہیے۔ یقیناً اس سفر میں اس نوجوان کو صاحبان نقد و نظر کی توجہ بھی درکار ہو گی۔ مصنف کا طرز تحریر ان کے روشن مستقبل کی ضمانت ہے۔

وہ اپنی تحریروں کے ذریعے معاشرے میں تبدیلی لانے کے خواہش مند ہیں۔ فی زمانہ لوگ اپنی آخری عمر میں بھی اپنی کتابوں پر نقادان فن سے لکھوانا ضروری سمجھتے ہیں، لیکن اس نوجوان کی خود اعتمادی دیکھیے کہ اس نے کسی سکہ بند نقاد یا ادیب کو زحمت نہیں دی، پیش لفظ بھی خود ہی تحریر کیا ہے۔ مصنف نے ایک جگہ وضاحت کی ہے کہ ”اس ناول میں پیش کیے جانے والے تمام کردار، حالات، واقعات اور مقامات فرضی ہیں، جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں، ان کی کسی بھی شخص یا جگہ سے مماثلت اتفاقیہ ہو سکتی ہے“۔ گو کہ وہ ادبی دنیا میں نو وارد ہیں، لیکن ان کے جذبوں اور والہانہ پن سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ ادبی دنیا میں ان کا مستقبل بہت تاب ناک ہو گا۔

طلسم کہن:

خاور چودھری کے نئے مجموعے "طلسم کہن" کے بارے میں عامر سہیل لکھتے ہیں:

> "خاور چودھری اصل میں ایک ایسے باہمت اور ذمہ دار تخلیق کار ہیں، جن کا ہاتھ سماج کی نبض پر ہے اور وہ اس کی ہر کیفیت کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ یہ ان کی مستقبل بینی بھی ہے کہ نئے افسانے کے مسائل اور میلانات کو اجتہادی سطح پر پرکھ سکتے ہیں۔ اس مجموعے میں حقیقت نگاری کا وہ تیکھا انداز شامل ہے، جس کی ایک جہت تو انسانی وجود کی پیچیدہ صورت کو منکشف کرتے ہے تو دوسری جہت ادب اور فن کے تقاضوں میں نئی روح بھی پھونکتی نظر آتی ہے۔ یہ کورونائی افسانے کسی ہنگامی تحریک یا رجحان کے زیر اثر تخلیق نہیں ہوئے بلکہ اس وژن کی بدولت معرض تحریر میں آئے، جس کا ٹھیک اندازہ ایک بڑا اور پختہ کار لکھاری ہی کر سکتا ہے۔"[۲۳]

طلسم کہن میں خاور چودھری کے لکھے ہوئے نئے افسانے شامل ہیں جو کورونائی صورت حال سے وابستہ نئی اقدار، نئے رجحانات، نئے خدشات، نئے تجزیات اور نئے انسان کا المیہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہ مجموعہ قاری کی فکر کو بار بار جھنجھوڑنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے اور اس نئی سماجی دانش میں اپنے کردار پر نظر ثانی کی طرف مائل بھی کرتا ہے۔

ب۔ اُردو نثر کے نمائندہ کورونائی نثر نگار

اردو نثر کے نمائندہکورونائی نثر نگار درج ذیل ہیں:

مستنصر حسین تارڑ:

پاکستان کے عصری ادبی منظر نامے پر موجود مستنصر حسین تارڑ ایک نامور تخلیق کار ہیں اور خاص طور پر اردو ناول نگاری میں گزشتہ کئی دہائیوں سے شہرت کی نئی بلندیوں پر فائز ہیں۔

پی ٹی وی سے نشر ہونے والے پاکستان کے اولین مارننگ شو کے میزبان ہونے کے علاوہ وہ سفر نامے لکھتے، اداکاری کرتے اور میزبانی کے فرائض انجام دیتے آرہے ہیں۔ وہ چونکہ ہمہ جہت صلاحیتوں کے مالک ہیں اس لیے آج بھی پوری توانائی سے خود کو مصروف رکھتے ہیں۔ صبح میں روزانہ پیدل چلنا، خوش گوار کی مستقل طور پر کالم لکھنا، مطالعہ کرنا، ہم ذوق افراد سے ملنا اور سفر کرنا ان کے معمولات میں شامل ہے۔ یہاں آپ کے چاہنے والے چاہتے ہیں کہ آپ ان کے درمیان بھی رہیں، خاص طور پر جب آپ کی کوئی نئی کتاب چھپ کر آئے کیونکہ اس پر بات کرنے کی خواہش قارئین کے دل میں جاگتی ہے۔

دوران گفتگو معروف شاعرہ اور ادیبہ فہمیدہ ریاض کا تذکرہ نکل آیا۔ میں نے ان کو قلعہ فراموشی ناول پڑھنے کی تجویز دی جو فہمیدہ ریاض کا آخری ناول ہے۔ اس ناول کے نام کو تارڑ صاحب نے بے حد پسند کیا اور پڑھنے کا ارادہ بھی ظاہر کیا۔ پھر کافی دیر تک ہم فہمیدہ ریاض کی باتیں کرتے رہے اور وہ مجھے بتانے لگے کہ ایک بار فہمیدہ ریاض نے مجھ سے کہا کہ نثر لکھنا شاعری سے کہیں زیادہ مشکل کام ہے، کیونکہ میں نے ایک

ناول لکھا تو اب میرا کردار کمرے کے اندر کرسی پر بیٹھا ہے، میں چاہتی ہوں کہ اس کو کمرے سے باہر بھیجوں لیکن مجھے کوئی وجہ سمجھ نہیں آرہی جس کو بنیاد بنا کر کرسی سے اٹھایا جائے۔

وہ کہتے ہیں کہ اس جبری فرصت یا تنہائی، اسے جو نام بھی دیں، اس میں عام افراد کے لیے ایک خوف اور ڈر کا عنصر ہے۔ ماحول میں ایک ویرانی اور تاریکی کا احساس گھلا ہوا ہے، لیکن ادیبوں کے لیے یہ تنہائی کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ میں گزشتہ کئی دہائیوں سے لکھ رہا ہوں اور میری یہ مصروفیت مسلسل اور مستقل ہے۔ میں پابندی سے کئی گھنٹے ہر روز صرف لکھنے یا پڑھنے کا کام کرتا ہوں۔ یہ کام تب ہی ہو سکتا ہے جب آپ گھر میں رہیں گے اور پوری توجہ اس کام کو دیں گے۔ اب کورونا کی وبا نے سب کو جبری تنہائی میں دھکیل دیا ہے۔ پھر انہیں یہ زیادہ وحشت ناک یا اکتاہٹ بھرا کام محسوس ہو رہا ہے جن کے ہاں تخلیقی سرگرمی نہیں ہیں یا جو لکھنے پڑھنے کے کام سے وابستہ نہیں ہیں ورنہ اس ماحول میں بھی کام کرنے والے کام کر رہے ہیں۔

میں نے بھی اس اضافی فرصت اور تنہائی کا فائدہ اٹھایا اور نیا ناول یا ناولٹ جو بھی کہیں، وہ لکھنا شروع کر دیا ہے۔ ابھی کچھ کہہ نہیں سکتا کہ یہ کہانی کیا رخ اختیار کرے گی اور یہ ناول بنے گا یا ناولٹ لیکن کہانی لکھنا شروع کر دی ہے اور اس کا موضوع کورونا کی وبا ہی ہے البتہ ابھی تک اس کا نام طے نہیں کیا۔ امید کرتا ہوں کہ جب تک یہ وبا ختم ہو گی تب تک میری یہ کہانی بھی مکمل ہو چکی ہو گی۔

اب چونکہ میں باہر نکلا نہیں ہوں اس لیے اس ناول کو لکھنے کے لیے میں نے اخبارات، ٹیلیوژن اور سوشل میڈیا سے استفادہ کیا ہے اور ان حاصل کی گئی معلومات کو ناول کے لیے بطور ماخذ استعمال کیا ہے۔ جب کورونا کی وبا نے پاکستان کو متاثر ہی کیا تھا، ان دنوں میری ۲ نئی کتابیں چھپ کر آئیں۔ اب حالات جب معمول پر آجائیں گے تو پھر ان کتابوں پر بھی بات ہو گی اور اس ناول یا ناولٹ پر بھی، جس کا میں نے آپ کو ابھی سے بتا دیا ہے کہ وہ زیر تعمیل ہے۔

نقشبندی قمر نقوی بخاری:

لکھاری اور ادیب کی سب سے اہم اور خاص ذمہ داری یہ ہوتی ہے کہ اپنے عہد یعنی موجودہ وقت کے احوال و حالات مستقبل کے قاری کے لیے محفوظ کرے آنے والے دور کا انسان اپنے ماضی کو صرف اور کتاب ہی کی وساطت سے جان سکتا ہے آج اگر ہم گزرے ہوئے وقت کے بارے میں کچھ جان پہچان رکھتے ہیں تو یہ کتاب اور مصنف یعنی ادیب ہی کی دین ہے تاریخ کے صفحات ہی ہمیں بتاتے ہیں کہ کس صدی میں کیا واقعہ رونما ہوا تھا اور اس واقعے نے سماج پر کیا اثرات مرتب کیے تھے لکھاری اگر اپنے دور کے خاص حالات و واقعات کو آنے والی نسلوں تک پہنچانے کی ہمت نہیں کرے گا تو یہ اس کے فرض منصبی میں بڑی کوتاہی اور خیانت شمار ہوگی آنے والے لوگ پچھلوں سے بہت کچھ سیکھتے ہیں ان کی غلطیوں سے سبق حاصل کرتے ہیں اچھائیوں اور خوبیوں کو مشعل راہ بناتے ہیں ان سے سرزد ہونے والی غلطیوں سے اجتناب کرتے ہیں ان کے غلط فیصلوں کو دہرانے سے کتراتے ہیں اور درست فیصلوں کی پیروی کی کوشش اور خواہش کرتے ہیں ماضی کے تمام تجربات و مشاہدات کی روشنی میں اپنے موجودہ اور آنے والے وقت کی تصویر کشی کرتے ہیں اگر لکھاری اپنے دور کے معاشی و سیاسی حالات، معاشرتی و سماجی معاملات، تمدنی رویے، قدرتی آفات و حادثات اور لوگوں کی عادات اور مزاج کو قلمبند نہیں کرے گا تو آنے والی نسلیں ان کے بارے میں کیسے آگاہی حاصل کریں گی ان کے اچھے اور برے حالات و واقعات اور مشاہدات و تجربات سے کسے طرح سیکھنے کی کوشش کرے گی۔

۲۰۲۰ء میں کورونا نامی وبا کی شکل اللہ کی زمین پر ایک بڑی آفت نازل ہوئی جس نے پورے خطۂ ارضی کو چند لمحات کے اندر اپنی لپیٹ میں لے لیا اور تا حال عالمِ انسانیت اس کے برے اور نقصان دہ اثرات سے نہیں نکل پائی ہے۔ ہمیں تو علم ہے کہ یہ وبا کس طرح پھوٹی اور کہاں سے پھوٹی، کتنے انسانوں کو ایک پل میں نگل گئی اور اس کے آنے کے بعد کیسے ایک ہنستی بستی دنیا دُکھ درد اور غم و الم کی

تصویر بن گئی ہے۔ کس طرح دوڑتی بھاگتی زندگی ساکت و جامد ہو گئی ہے۔ لوگوں کے قہقہے اور ہنسی کیسے آہ و فغاں میں بدل گئی ہے۔ کاروں سے اٹی سڑکیں کیسے ویران ہوئیں، زندگی کا شور اور ہجوم کس طرح سکوت شناس ہوا، مصروف و مغرور کاروباری مراکز کو کیسے تالے پڑ گئے، صنعتی و تجارتی سرگرمیاں کس طرح ٹھپ ہو کر رہ گئیں ہیں اور ایک دوسرے پر جان چھڑکنے والے کس طرح ایک دوسرے سے دور بھاگنے لگے ہیں۔ مساجد اور عبادت گاہیں کتنی مدت تک ویران رہی ہیں۔ کس طرح شہروں میں اُلّو بولنے لگے اور آفت کی اس گھڑی میں انسانی روّیوں میں کیا کیا اور کیسی کیسی تبدیلی آئی؟

محمد حنیف:

عالمی ادب میں جنوبی ایشیائی ادیبوں نے ایک دو دہائیوں میں بہت شہرت کمائی ہے، جن میں خاص طور پر پاکستان اور ہندوستان کے بہت سارے ادیب بالخصوص ناول نگار شامل ہیں۔ ان سب میں ایک بات یہ بھی مشترک ہے کہ یہ انگریزی میں ادب تخلیق کرتے ہیں۔ پاکستان سے ان ادیبوں میں ایک معروف ادیب "محمد حنیف" بھی ہیں جو بطور صحافی بی بی سی اردو سروس سے بھی وابستہ ہیں۔ بی بی سی اور نیویارک ٹائمز کے لیے کالم لکھنے کے علاوہ بی بی سی اردو اور پنجابی کے لیے ویڈیو لاگ بھی تخلیق کرتے ہیں۔ اب تک وہ ۴ ناول، ۲ تھیٹر کے ڈرامے اور ایک فلم لکھ چکے ہیں۔ اپنے نئے ناول پر بھی کام کر رہے ہیں۔ کورونا کے دنوں میں ان کی مصروفیات کچھ یوں ہیں:

> "کورونا وبا کی وجہ سے ملنے والی اس جبری فرصت میں حسب معمول سوائے اپنے پیشہ ورانہ کاموں کے کوئی خاص کام نہیں کر رہا کیونکہ مزدوری بھی تو کرنی ہے۔ میرا بیٹا چھوٹا ہے، اس کے ساتھ کھیلنے کودنے اور اس کو کھلانے پلانے میں وقت اچھا گزر جاتا ہے۔ پھر اگر اضافی فرصت مل جائے تو میں کچھ کھانا پکانا بھی کر لیتا ہوں، چپاتی سب سے زیادہ بہتر پکا لیتا ہوں۔ نیا ناول بھی لکھ رہا ہوں البتہ ان دنوں اس کو لکھنے کا زیادہ دل نہیں چاہ رہا اس

> لیے ادھورا چھوڑ رکھا ہے۔ اس کا فی الحال کوئی نام بھی طے نہیں کیا
> ہے"۔[۲۴]

خاور چودھری:

خاور چودھری نے مسلسل محنت اور ریاضت کے بدولت اردو ادب کے سنجیدہ حلقوں میں اپنی ایک منفرد شناخت قائم کر لی ہے۔ شاعری، کالم نگاری اور افسانہ نگاری ان کی ادبی شناخت کے خاص میدان ہیں۔ ان کا تازہ مجموعہ "طلسمِ کہن" اس اعتبار سے لائق توجہ ہے کہ اس میں شامل تمام افسانے کورونائی صورت حال سے پیدا ہونے والی نئی سماجی زندگی کا بھرپور عکس پیش کرتے ہیں۔

خاور چودھری زمانہ طالب علمی سے ہی قلم سے وابستہ ہیں۔ ۱۹۸۷ء میں لاہور سے شائع ہونے والے ایک ڈائجسٹ کے لیے کہانیاں اور مختصر مضامین لکھے بعد ازاں صحافت بھی شروع کر دی۔ ۱۹۹۴ء میں حضرو سے شائع ہونے والے ادبی رسالے "چاک" کے لیے ناظم منتخب ہوئے۔ ۱۹۹۸ء میں حضرو شہر سے پہلا باقاعدہ اخبار "ہفت روزہ حضرو" جاری کیا۔ ۲۰۰۰ء میں ادبی رسالہ "سحر تاب" کی ادارت کی اور پھر ۲۰۰۱ء میں ایک اور ہفت روزہ اخبار "تیسرا رخ" میں چیف ایڈیٹر کی حیثیت سے فرائض انجام دیے۔ ۲۰۰۵ء میں علاقائی روزنامہ "تعلم" کے ایڈیٹر رہے۔ اس عرصہ میں کراچی سے شائع ہونے والے معروف ادبی ماہنامے سخن ور" کے ساتھ بھی منسلک رہے۔ عامر سہیل خاور چودھری کے نئے مجموعے طلسم کہن کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "خاور چودھری اصل میں ایک ایسے باہمت اور ذمہ دار تخلیق کار ہیں، جن کا ہاتھ سماج کی نبض پر ہے اور وہ اس کی ہر کیفیت کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ یہ ان کی مستقبل بینی بھی ہے کہ نئے افسانے کے مسائل اور میلانات کو اجتہادی سطح پر پرکھ سکتے ہیں۔ اس مجموعے میں حقیقت نگاری کا وہ تیکھا انداز شامل ہے، جس کی ایک جہت تو انسانی وجود کی پیچیدہ صورت کو منکشف کرتے ہے تو دوسری جہت ادب اور فن کے تقاضوں میں نئی روح بھی پھونکتی

> نظر آتی ہے۔ یہکورونائی افسانے کسی ہنگامی تحریکیارحجان کے زیر اثر تخلیق نہیں ہوئے بلکہ اس وژن کی بدولت معرض تحریر میں آئے، جس کا ٹھیک ٹھیک اندازہ ایک بڑااور پختہ کار لکھاری ہی کر سکتا ہے۔[۲۵]

طلسم کہن میں خاور چودھری کے لکھے ہوئے نئے افسانے شامل ہیں جو کورونائی صورت حال سے وابستہ نئی اقدار، نئے رجحانات، نئے خدشات، نئے تجزیات اور نئے انسان کا المیہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہ مجموعہ قاری کی فکر کو بار بار جھنجھوڑنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے اور اس نئی سماجی دانش میں اپنے کردار پر نظر ثانی کی طرف مائل بھی کرتا ہے۔

ج۔کورونائی نثر اور وبائی خوف:

کورونا ایک بلائے نگہانی آفت کے طور پر دنیاپر نازل ہوا۔ چین سے شروع ہونے والی وبا نے پوری دنیا کو لپیٹ میں لے لیا۔ چین نے اس کو روک تھام کے لیے جو اقدامات کیے اسکوWHO اور پوری دنیا نے اپنایا ہے۔ پاکستان کے دیگر عوام کی طرح اردو ادیب کے لیے یہ صور تحال بالکل نئی تھی۔ جس نے اسے شدید حیرت اور خوف میں مبتلا کر دیا۔ ابتدائی لاکڈاؤن نے اسے ساکت کر دیا۔ جیسے جیسے وقت گزرا تو کورونا اور اس سے پیدا ہونے والی صور تحال کو اپنی تخلیق کا حصہ بنایا لیکن اردو کے صرف چند ادیب ہی اس کار خیر میں شامل ہو سکے۔

اُردو ادباء کا کورونا کے حوالے سے تخلیقی تجربہ نہایت محدود رہا۔ اس کی بنیادی وجہ معلومات کا ذریعہ وہی تھا جو عام عوام کا تھا اور گھر میں نظر بند ہونے کی وجہ سے اس کا مشاہدہ نہایت محدود تھا۔ بنیادی طور پر صحافت کے سہارے تخلیقی تجربہ کیا گیا جو نہایت محدود رہا۔

کورونا کو جب رہائشی سطح پر، ملک پر نافذ کیا گیا ملک میں ایک ہنگامی صور تحال پیدا ہو گئی۔ ابتدائی دنوں پر اردو ادباء اس منفرد صور تحال کو سمجھنے سے قاصر رہے۔ ۲۰ دن سے شروع ہونے والا لاک ڈاؤن

جب چھ ماہ سے زائد ہو گیا تو اس کے اثرات انسانی زندگی معیشت، سماج، مذہب اور انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی پر بڑے واضح اثرات نمایاں ہو گئے۔

کورونا کے باعث اموات نے عالمی سطح پر ایک ہنگامی صورتحال پیدا کر دی۔ یہ وباء چونکہ عالمی تھی اس لیے پوری دنیا میں تشویش اور خوف پایا گیا۔ کورونا کی وجوہات نامعلوم ہونے کے باعث اور موت کے خوف نے عجیب صورتحال پیدا کر دی۔ معیشت پر اس کے اثرات نہایت بدترین ثابت ہوئے۔ بے روزگاری کی شرح میں اضافہ ہوا عوام کا معاشی دائرہ ٹوٹنے کے باعث نہایت مشکل کا شکار ہوئے۔ موت کے حوالے سے سگمنڈ فرائڈ لکھتے ہیں:

> "ہم موت کا تذکرہ بھی خوشی یا پسندیدگی سے نہیں کرتے، موت کے مفروضے کے ساتھ بھی "خدانخواستہ" اور "خاکمبدہن" جیسے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ بچے اگرچہ اس طرز فکر میں شریک نہیں ہوتے اور بلا روک ٹوک ایک دوسرے کو مرنے کی بددعائیں دیتے رہتے ہیں۔ وکیل اور ڈاکٹر کے علاوہ جو موت سے پیشہ ورانہ انداز میں معاملہ کرتے ہیں کوئی بھی مہذب شخص کسی دوسرے کی موت کا خیال دل میں لانا پسند نہیں کرتا اور اگر ایسے خیالات اس کے ذہن میں آئیں تو اپنی شدید مذمت کرتا ہے۔"[۲۶]

کورونا کے باعث سماجی اجتماع معطل ہو کے رہ گیا اور لوگوں کو گھروں تک محدود ہو کے رہ گئے۔ کورونا کو ابتدائی طور پر لوگوں نے مذاق کے طور پر لیا۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ جب اس کی شدت میں اضافہ ہوا اور حالات کی سنگینی کا اندازہ ہوا تو پہلا تاثر جو ابھرا وہ خوف کا تھا۔ اپنی جان جانے کا خوف، اپنے پیاروں کی جان جانے کا خوف اور معاشرے میں وباء کے باعث ہونے والی اموات کے باعث خوف اور مایوسی کے اثرات، مستقبل کے معاشی اندیشے وباء کے شکار ہونے کے باعث معاشرے سے کٹ جانے کا خوف۔

۲۰۲۰ء وبا کا سال تھا اور اس کے آگے اقوام عالم بے بس نظر آئیں۔ اس لیے کہ انسانی قدرت اور اختیار میں جو کچھ ہے، اس حساب سے تو وبا کا ڈٹ کر مقابلہ کیا جا رہا ہے، اگر نہ کیا جاتا، تو شاید اموات کی تعداد

بھی کئی گنا زیادہ ہوتی۔ لیکن حقیقت یہی ہے کہ انسانی زندگی سے بڑھ کر کچھ نہیں اور انسان اشرف المخلوقات ہے، جو اپنے اشرف ہونے کا اظہار کسی نہ کسی طور کرتا ہی رہتا ہے، جیسا کہ سال نو سے قبل ہی مہلک وائرس کے خلاف موثر ویکسین تیار کرلی گئی۔ نیز، سخت ترین وبائی ایام میں بھی زندگی سے مایوسی کا اظہار کیا گیا اور نہ ہی زندگی کا احساس دیتی علمی و ادبی سرگرمیوں سے مکمل طور پر کنارہ کشی اختیار کی گئی۔

> "مارچ ۲۰۲۰ء کے وسط تک تو کورونا نے شدت اختیار نہیں کی تھی، لہذا ادبی تقریبات، سیمینارز اور مشاعرے ملک بھر میں منعقد ہوتے ہی رہے۔ جرائد و کتب کی اشاعت کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ تاہم، ۱۵ مارچ سے عوامی تقریبات پر پابندی اور لاک ڈاؤن نے کچھ عرصے کے لیے ادبی دنیا پر بھی جمود طاری کیا۔ تخلیقی و سماجی سرگرمیاں بند ہوئیں، تو ایک بحرانی صورت حال پیدا ہو گئی"۔[۲۷]

ویسے تو کسی بھی بحران میں زندگی کا ہر شعبہ ہی متاثر ہوتا ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ سب سے زیادہ تبدیلی انسانی نفسیات اور رویوں میں محسوس کی جاتی ہے اور ادبی تاریخ گواہ ہے کہ ان تبدیلیوں سے ترتیب پاتی معاشرتی صورت حال کو بھی ادباء و شعرا نے ہمیشہ ہی اپنی تخلیقات کا حصہ بنایا ہے کہ ادب کا بنیادی سروکار ہی انسان اور انسانیت سے ہے۔ جیسے کہا گیا کہ دمشق میں قحط پڑا ہے، یاروں نے عشق فراموش کر دیا ہے تو گویا ہمارے ادب سے اس کی بڑی گواہی ملتی ہے۔ "خطوط غالب" ہوں، راجندر سنگھ بیدی کا "قرنطینہ" یا قدرت اللہ شہاب کے "شہاب نامہ" کا آغاز، اسی طرح یورپ میں "ڈیکینٹر بریٹیلز" ہو، ڈینیل ڈیفو کی "اے جرنل آف دی پلیگائیر"، کامیو کی "دی پلیگ" یا گارشیا مارکیز کی "وبا کے دنوں میں محبت"۔۔۔۔ وبا میں انسانی مزاج اور فطرت پر اس کے اثرات ادب کا حصہ بنتے رہے ہیں۔

> "کووڈ-۱۹ وباء کی سطح اور شدت واضح طور پر صحت عامہ کے لیے ایک ایسا خطرہ بن گئی ہے کہ بعض حقوق پر پابندیاں جائز ہو جاتی ہیں جیسے کہ نقل و حرکت کی آزادی کو محدود کرنے کے لیے قرنطینہ یا تنہائی۔ بیک وقت، انسانی

> حقوق پر صحیح توجہ مثال کے طور پر غیر امتیازی سلوک اور انسانی حقوق کے اصول جیسے کہ شفافیت اور انسانی وقار کا احترام بحران کے اوقات میں جنم لینے والے انتشار اور افراتفری کے ماحول میں ایک مؤثر ردعمل کا سبب بن سکتے ہیں اور ان نقصانات کو کم کرسکتے ہیں جو ایسے وسیع تر اقدامات کے اطلاق سے پہنچتے ہیں جو درج بالا معیار پر پورا نہیں اترتے۔"[۲۸]

تنہائی ادب کو تحریک دیتی ہے اور ادیب کی تخلیقی صلاحیتیں بڑھا دیتی ہے، لیکن ادیب کو ملنے والی حالیہ تنہائی دراصل جبری تنہائی ہے اور شاعر و ادیب تو یوں بھی ہر جبر کے خلاف ہوتا ہے، اس لیے جبری تنہائی انسان میں اکتاہٹ اور وحشت پیدا کر دیتی ہے، بلکہ فرانسیسی زبان میں اکتاہٹ کے لیے مستعمل لفظ کا مطلب ہی تخلیقی صلاحیت میں کمی ہے۔

> خود ساختہ تنہائی کا مطلب ہے کہ آپ اپنے آپ کو دنیا بھر سے الگ کر لیں۔ پبلک ہیلتھ انگلینڈ کے مطابق آپ کو گھر پر رہنا ہو گا، آپ دفتر، سکول یا عوامی مقامات پر نہیں جاسکتے اور آپ ٹیکسی یا پبلک ٹرانسپورٹ پر سفر نہیں کر سکتے۔"[۲۹]

لہٰذا، وبا کے ابتدائی دنوں میں شاعر و ادیب بھی اسی صورت حال پر غور کرتے اور اس سے وحشت اور اکتاہٹ کا اظہار کرتے نظر آئے۔ کامیو سے لے کر آج تک سوچنے والے ذہنوں کے لیے سب سے اہم سوال یہی رہا ہے کہ یہ وائرس قدرت کی طرف سے ہے یا کسی تجربہ گاہ کی ایجاد۔

کورونا کے شب و روز کے پس منظر میں مستنصر حسین تارڑ نے شہر خالی، کوچہ خالی تحریر کیا، تو آصف فرخی نے اپنے جذبات و احساسات کو ڈائری کی شکل دی اور تالا بندی کا روزنامچہ تحریر ہونے لگا، جب کہ ڈاکٹر جعفر نے کئی اقساط میں وبائی ادب کو عالمی اور اردو ادب میں تقسیم کر کے تجزیہ کیا۔ دوسری طرف شعراء نے بھی اپنے احساسات و جذبات کو منظوم شکل دی اور ساتھ ہی ساتھ اس جبری تنہائی سے لڑنے کے لیے جدید ٹیکنالوجی کے مفید استعمال کا خیال پھیلنا شروع ہوا۔ کئی شاعروں نے یوٹیوب چینلز بنائے، کچھ فیس بک اور

سوشل میڈیا پر اپنا کلام پیش کرنے لگے۔ ساتھ ہی اداروں نے بھی آن لائن مشاعروں، کانفرنسز اور سیمینارز کا انعقاد ممکن بنانے پر توجہ دی اور یوں اچھا خاصا "کورونائی ادب" وجود میں آگیا۔ یہ ادب مختلف رسالوں نے گوشوں اور نمبرز کی صورت شائع کر کے محفوظ دستاویز میں تبدیل کیا، تو مسرت زہرا کنول نے وبا کے مختلف پہلوؤں پر غزلوں اور نظموں کا مجموعہ "درد کی دہلیز پر" کتابی شکل میں بھی شائع کیا، جسے "کوروناشاعری" کا پہلا مجموعہ قرار دیا گیا۔

اسی طرح ”لاکڈاؤن اور ڈائری“ (ادارئہ انحراف) جیسے سلسلوں کا آغاز کیا گیا، جس میں ادباء و شعراء کے علاوہ دیگر لوگوں نے بھی اپنے احساسات کو تحریری شکل دی۔ یہ ادب نہ صرف آج، بلکہ آئندہ وقتوں میں بھیوبائی صورت حال میں انسانی نفسیات، احساسات اور حالات کو سمجھنے میں مددگار ثابت ہو گا اور اس ادب کا تجزیہ آنے والے وقت میں ان سوالوں کا جواب بھی دے گا کہ اس جبری تنہائی اور سماجی ڈوریوں کو ادب نے کیسے قبول کیا۔ ممکن ہے یہ سوال سمجھنے میں کچھ اور چیز میں بھی ہمارے سامنے آجائیں، لیکن ایسے کسی تجزیے میں ہنگامی نوعیت، فوری رد عمل اور صحافتی سطح کا ادب یقیناً توجہ کا مرکز نہیں بنے گا، بلکہ انہی تخلیقات سے مدد لی جائے گی کہ جن میں شعریت کے ساتھ گہری معنویت اور سماجی صورت حال کو گرفت کیا ہو گا۔

حوالہ جات

۱. https://www.dw.com/ur, Time: ۸:۱۲ PM, ۱/۰۶/۲۰۲۲

۲. https://qindeelonline.com, Time: ۵:۳۵ PM, ۱/۰۶/۲۰۲۲

۳. ابواللیث صدیقی ڈاکٹر، آج کا اردو ادب، جدید اردو ناول، ص۱۹۷ تا ۱۹۸۔

۴. The history of the English novel, Arthur wing Volume-۱,P,۱۳,۱۵

۵. عبدالحلیم شرر، مضامین شرر، جلد سوم، ص۲۳۰۔

۶. مظفر عباس، ڈاکٹر، اردو ناول کا سفر، ص۷۴ تا س۷۵، گوہر پبلیکیشنز، لاہور، کن ندارد۔

۷. مرزاہادی رسوا، سوانح حیات، ادبی کارنامے، طبع اول لاہور، ص۱۳۳۔

۸. فیاض محمود۔ تاریخ ادبیات مسلمانان، پاکستان، نویں جلد ص۴۹۹ دانش گاہ پنجاب، لاہور۔

۹. وزیر آغا، ڈاکٹر، دائرے اور لکیریں، ص۵۳

۱۰. شان الحق حقی، مرتب، فرہنگ تلفظ، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، اشاعت اول، ۱۹۹۵ء، ص۶۳

۱۱. ا۔ ڈاکٹر جمیل جالبی، مرتب، قومی انگریزی اردو لغت، مقتدرہ قومی زبان، اسلا ماباد، ۱۹۹۴ء، ص۱۸۳۳

۱۲. نگہت ریحانہ خان، ڈاکٹر، اردو مختصر افسانہ: فنی و تکنیکی مطالعہ ۱۹۴۷ء کے بعد، کلاسیکل پرنٹرس، دہلی، نومبر ۱۹۸۶ء، ص۱۷

۱۳. عطاء الرحمن نوری، اردو اصناف ادب، رحمان پبلیکیشنز، ۲۰۱۶، ص۴۸

۱۴. انور جمال، پروفیسر، ادبی اصطلاحات، نیشنل بک فاونڈیشن، اسلام آباد، اشاعت اول، ۲۰۱۶ء، ص۴۲

۱۵. یوسف سرمست، ڈاکٹر، بیسویں صدی میں اردو ناول، نیشنلبکڈپو پر مچھلی کمال حیدر آباد، دسمبر ۱۹۷۳ ص۶

۱۶. سلیم اختر، ڈاکٹر، افسانہ: حقیقت سے علامت تک، اردو رائٹرس گلڈ، الہ آباد، ۱۹۸۰ء، ص۹۶

۱۷. وقار عظیم، سید، نیا افسانہ، جناح پریس دہلی، اشاعت اول ۱۹۴۶ء ۷۷۶

۱۸. نگہت ریحانہ خان، ڈاکٹر، اردو مختصر افسانہ: فنی و تکنیکی مطالعہ ۱۹۴۷ء کے بعد، ص۵۴

۱۹. فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، اردو افسانہ اور افسانہ نگار، کتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی، ۱۹۸۲ء، ص ۱۸

۲۰. پروین اظہر، ڈاکٹر، اردو میں مختصر افسانہ نگاری کی تنقید، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ۲۰۰۰ء ص ۴۰

۲۱. غفور شاہ قاسم، پروفیسر، پاکستانی ادب ۱۹۴۷ء سے تا حال، بک ٹاک میاں چیمبرز، ٹمپلر وڈ لاہور، ۱۹۹۵ء، ص ۸۵

۲۲. مستنصر حسین تارڑ، پروفیسر، شہر خالی، کوچہ خالی، سنگ میل پبلیکیشنز لاہور، ۲۰۲۰ء، ص ۲۰

۲۳. خاور چودھری، طلسم کہن، مثال پبلشرز، مطبع سلیم نواز پرنٹنگ پریس، ۲۰۲۰ء، ص ۱۱

۲۴. ۱/۰۹/۲۰۲۲, Time: ۷:۳۲ PM, https://qindeelonline.com

۲۵. خاور چودھری، طلسم کہن، مثال پبلشرز، مطبع سلیم نواز پرنٹنگ پریس، ۲۰۲۰ء، ص ۱۱

۲۶. سگمنڈ فرائڈ، فرائڈ کے مضامین، ترجمہ، ثوبیہ طاہر، ڈاکٹر، نگارشات پبلشرز، سال اشاعت ۲۰۱۷، ص ۲۵

۲۷. https://jang.com.pk/news / جنوری ۲۰۲۲، بوقت ۷:۱۵ PM۔

۲۸. https://www.hrw.org/ur/news/ ۱۷ / جنوری ۲۰۲۲ء بوقت ۹:۰۳ PM۔

۲۹. https://www.bbc.com/urdu/ ۱۷ / جنوری ۲۰۲۲ء بوقت ۹:۱۰ PM۔

باب چہارم: مجموعی جائزہ، تحقیقی نتائج وسفارشات

مجموعی جائزہ

۲۰۲۰ء میں کورونا نامی وباء کی صورت میں دنیا پر ایک بہت بڑی آفت نازل ہوئی جس نے پورے خطہ ارضی کو اپنی لپیٹ میں لیا۔ تاحال عالم انسانیت اس کے اثرات سے نہیں نکل پاتی ہے۔ ہمیں تو معلوم ہے کہ یہ وبا کیسے پھوٹی، کہاں سے پھوٹی، کتنے انسانوں کو نگل گئی، اس کے آنے کے بعد ایک ہنستی بستی دنیا غم کی تصویر بن گئی۔ کیسے دوڑتی بھاگتی زندگی ساکت وجامد ہوگئی، انسانوں کے قہقہے کیسے آہ وفغان میں تبدیل ہوگئے، گاڑیوں سے بھری ہوئی سڑکیں کیسے سنسان ہوئیں، زندگی کا شور کس طرح سکوت شناس ہوا، مصروف کاروباری مرکز کو کس طرح تالے پڑگئے، صنعتی سرگرمیاں کس طرح ٹھپ ہو کر رہ گئیں، ایک دوسرے پر جان چھڑکنے والے کیسے ایک دوسرے سے دور بھاگنے لگے، مسجدیں اور عبادت گاہیں اتنی عرصے تک ویران رہیں کہ ایسے شہروں میں الو بولنے لگے ، آفت کی گھڑی میں انسانی رویوں میں کیا کیا تبدیلیاں آئیں، ذخیرہ اندوزوں نے آفت زدہ انسانوں کو بخشا کہ نہیں، موقع پرستوں نے لوٹ مار کا بازار گرم کیا کہ نہیں؟؟ وغیرہ وغیرہ ان ساری باتوں کو جاننے میں میرا چنیدہ ایم فل کا مقالہ ”کورونائی نثر میں خوف کے عناصر کا تجزیاتی مطالعہ“ میری تحقیقی جستجو کا باعث بنا۔

مجموعی طور پر کورونا وائرس کی وباء جان لیوا تو تھی ہی لیکن اس وباء کی وجہ سے انسانوں کے دلوں میں جو فوبیا نامی خوف پیدا ہوا اس کی مثال انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔ اس خوف، ڈر اور ڈپریشن نے انسانوں کو اپنے محبوب رشتوں سے بھی دور کر دیا۔ چمکتی زندگی دیکھتے دیکھتے ہی تاریکی نظر ہو گئی۔ آج سے کئی سال بعد انسانوں کو ان چیزوں کا بالکل بھی پتہ نہیں ہو گا جب تک آج کا ادیب اپنے الفاظ سے ان حالات کی عکس بندی نہ کرے اور اپنے قلم سے ان حالات کی منظر کشی نہ کرے۔

ادیب اور لکھاری کی سب سے بڑی ذمہ داریہ ہوتی ہے کہ اپنے دور کے حالات مستقبل کے قاری کے لیے محفوظ کرے۔ مستقبل کا انسان اپنے ماضی کو کتاب ہی کے ذریعے جان سکتا ہے۔ آج اگر ہم گزرے

ہوئے ادوار کے بارے میں کچھ جان پہچان رکھتے ہیں تو یہ کتب اور مصنفین ہی کی دین ہے۔ تاریخ کے اوراق ہی ہمیں بتاتے ہیں کہ فلاں صدی میں کیا واقعہ پیش آیا اور اس واقع نے سماج پر کیا اثرات مرتب کیے تھے۔

ادیب اگر اپنے وقت کے اہم واقعات کو آنے والی نسلوں تک پہنچانے کی کوشش نہیں کرے گا تو اس کے فرض منصبی میں بڑی کوتاہی اور خیانت شمار ہو گی۔ آنے والے لوگ گزری ہوئی نسلوں سے بہت کچھ سیکھتے ہیں ان کی غلطیوں سے سبق حاصل کرتے ہیں اور اچھائیوں کو مشعل راہ بناتے ہیں۔ ان سے سرزد ہونے والی کوتاہیوں سے پرہیز کرتے ہیں۔ ان کے غلط فیصلوں سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہیں۔ اور درست فیصلوں کی پیروی کی کوشش کرتے ہیں۔ ماضی کے تجربات کی روشنی میں اپنے حال اور مستقبل کی نقشہ گری کرتے ہیں۔ اگر ادیب اپنے دور کے سیاسی حالات، سماجی معاملات، تمدنی رویوں، قدرتی آفات و حوادث اور لوگوں کے مزاج و عادات کو سپرد قلم نہیں کرے گا تو اگلی نسلیں ان کے بارے میں کیسے آگاہی حاصل کریں گی۔ ان کے اچھے اور برے تجربات سے کیسے سیکھنے کی کوشش کریں گی۔

نتائج

۱۔ کورونا وائرس سے پیدا ہونے والی صورتِ حال کے باعث اردو زبان میں سنجیدہ ادب نہایت محدود پیمانے پر تخلیق کیا گیا ہے۔

۲۔ کورونائی نثری ادب کم تخلیق ہوا ہے تو اس کے نتیجہ میں تحقیق و تنقیدی کام نہ ہونے کے برابر ہے۔

۳۔ کورونا وائرس کی لپیٹ میں پوری دنیا آئی, پاکستان بھی اس صورتِ حال کا شکار رہا, یہ ایک وسیع میدان ہے جس میں ادبی تخلیقات کی وسیع گنجائش موجود ہے۔

۴۔ کورونا سے آشنائی کے بعد لوگوں کے درمیان خارجی تعلقات میں دوری پیدا ہوتی چلی گئی جس نے انسانی اقدار کو بھی بری طرح مسخ کیا۔

۵۔ انتظامی امور میں بد نظمی کی وجہ سے عوام الناس کے فلاح و بہبود کے شعبہ جات مثلاً صحت, تعلیم اور معاشی نظام بری طرح سے بدحالی کا شکار رہے۔

۶۔ انسانی نفسیات ہے کہ وہ جلد قدرتی آفات سے گھبرا جاتا ہے۔ اس ضمن میں ڈر, وہم, اور خوف کے تمام عناصر نے مل کر اس بیماری کو پھیلانے میں اپنا کردار ادا کیا ہے اور وبا نے جلد ایک شہر سے نکل کر عالمگیر حیثیت اختیار کر لی۔

۷۔ عہدِ کورونا میں لکھاریوں کے لیے ایک بڑا موضوع کورونا کی وبا اور اس کے انسانی تشخص و گمنامی پر اثر انداز ہونے والے عوامل کے ملے جلے اثرات کا جائزہ رہا۔

۸۔ ادب کو معاشرے کا آئینہ کہا جاتا ہے اور ادیب معاشرے سے جدا نہیں رہ سکتا۔ اس لیے افسانوی و غیر افسانوی اور شعری ادب میں کورونا کے موضوعات کو بھرپور جگہ ملی۔

۹۔ عہدِ کورونا کے نامور تخلیق کاروں میں مستنصر حسین تارڑ، نقشبندی قمر نقوی بخاری، محمد حنیف، خاور چودھری اور کنزیٰ خالق ہیں جنہوں نے قلم کے ذریعے اس دور کے تمام حالات کو ادبی رنگ میں پیش کیا۔

سفارشات

۱۔ کورونائی ادب کے خاص رجحانات ومیلانات کسی خاص ڈھنگ میں سامنے نہیں آئے، سب سے پہلے تو تخلیقی سطح پر اسے خاص پیرایہ میں ڈھالنے کی ضرورت ہے۔

۲۔ کورونائی ادب میں تحقیق و نقد نہ ہونے کے مترادف ہے لہٰذا اس تحقیق و تنقید پر از سرِ نو کام کی ضرورت ہے۔

۳۔ کورونائی ادب کا زیادہ تر رجحان مزاح نگاری کی جانب ہے جبکہ اس کا سنجیدہ ادب تخلیق کرنے کی اشد ضرورت ہے تا کہ جس سے کورونائی عصر کی مشکلات سامنے آسکیں۔

۴۔ کورونائی ادب بالخصوص (نثر) میں خوف کے عناصر کا میلان محدود رہا ہے جس میں وسعت کی ضرورت ہے۔

۵۔ کورونائی نثر کی تخلیق میں بڑے تخلیق کاروں کا رجحان یکسر دیکھنے میں نہیں آیا لہٰذا اردو ادب کے اہم اور بڑے نثر نگاروں کو کورونائی ادب تخلیق کرنے کی طرف توجہ مبذول کرنی چاہیے۔

کتابیات

بنیادی ماخذ:

۱) خاور چودھری، طلسم کہن، مثال پبلیشرز، رحیم سینٹر، پریس مارکیٹ، فیصل آباد، اپریل ۲۰۲۰ء

۲) کنزی خالق، خوف کی دستک (افسانہ) مشمولہ ماہنامہ بیاض، لاہور، جولائی ۲۰۲۰ء

۳) محمود احمد قاضی، کنواں، مطاف پبلیکیشنز، گوجرانوالا، دسمبر ۲۰۲۰ء۔

۴) مستنصر حسین تارڑ، شہر خالی کوچہ خالی، سنگ میلپبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۲۰ء

ثانوی ماخذ:

۱) ابو اللیث صدیقی، ڈاکٹر، آج کا اردو ادب، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، سن اشاعت ۱۹۷۵ء

۲) انور جمال، پروفیسر، ادبی اصطلاحات، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، اشاعت اول، ۲۰۱۲ء

۳) انور سدید، ڈاکٹر، اردو کی مختصر تاریخ انور پرنٹرز و پبلیشرز طبع اول، مقتدرہ قومی زبان، فروری ۱۹۹۱ء

۴) ثوبیہ طاہر، ڈاکٹر، فرائڈ کے مضامین، نگارشات پبلیشرز، ۲۰۱۷ء

۵) سگمنڈ فرائڈ، مترجم ڈاکٹر ثوبیہ طاہر، فرائڈ کے مضامین، نگارشات، لاہور، ۲۰۱۷ء

۶) سلیم اختر، ڈاکٹر، نفسیاتی تنقید، سنگ میل پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۱۶۰ء

۷) شان الحق حقی، ڈاکٹر مرتب، فرہنگ تلفظ، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، اشاعت اول ۱۹۹۵ء

۸) صفیہ عباد، ڈاکٹر، راگزت، خواہش مرگ اور تنہا پھول، نیشنل بک فاؤنڈیشن، طبع دوم مئی ۲۰۲۰ء

۹) عطاء الرحمن نوری، اردو اصناف ادب، رحمان پبلیکیشنز، ۲۰۱۶ء

۱۰) فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، اردو افسانہ اور افسانہ نگار، کتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی، ۱۹۸۲ء

۱۱) فیاض محمود، سید، تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند، غالب انسٹیٹیوٹ، نئی دہلی، اشاعت ۱۹۷۳ء

۱۲) کلیم الدین احمد، تحلیل نفسی اور ادبی تنقید، مترجم ممتاز احمد، لبرٹی آرٹ پریس، نئی دہلی، ۱۹۹۰ء

۱۳) محمد اشتیاق طاہر، کیا کورونا کچھ نہیں؟ بک ہو، بک شٹریٹ ۴۶، مزنگ روڈ، لاہور، پاکستان

۱۴) مرتبہ، حنا جمشید، مثال پبلیشرز، رحیم سینٹر پریس مارکیٹ، امین، پور بازار، فیصل آباد

۱۵) نقشبندی قمر نقوی، بخاری، ریحان کتاب گھر، کراچی

۱۶) نگہت ریحانہ خان، ڈاکٹر، اردو مختصر افسانہ فنی و تکنیکی مطالعہ ۱۹۸۷ء کے بعد، کلاسیکل پرنٹر، دہلی، نومبر ۱۹۸۶ء

۱۷) ہاشمی، قمر اعظم، ڈاکٹر، اردو ڈرامہ نگاری (تاریخ و تنقید کی روشنی میں) تیسرا ایڈیشن مع اضافہ، کتابستان، چندوارہ، مظفرپور، بھارت، ۲۰۰۲ء

۱۸) یوسف سرمست، ڈاکٹر، بیسویں صدی میں اردو ناول، نیشنل بک ڈپو، مچھلی کمال حیدر آباد، دسمبر ۱۹۷۳ء

رسائل و جرائد:

۱) تسطیر (سہ ماہی)، بک کارنر، جہلم

۲) سویرا (سہ ماہی)، لاہور

۳) لوح (شش ماہی)، راولپنڈی

۴) بیاض (ماہنامہ) لاہور

اخبارات:

۱) روزنامہ اوصاف، اسلام آباد

۲) رونامہ ایکسپریس، اسلام آباد

۳) روزنامہ جنگ، اسلام آباد

۴) روزنامہ دنیا، لاہور

۵) ماہنامہ، تخلیق، لاہور، جنون، ۲۰۲۰ء

ویب گاہیں:

۱) https://www.facebook.com

۲) https://www.instagram.com

۳) https://www.youtube.com

۴) https://www.twitter.com

۵) https://pu.edu.pk

۶) https://pal.govt.pk